Regd.# MC-1366
دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار
•جلد 15/•شمارہ 3/•اکتوبر/2025

ماہنامہ فہمِ دین

جب زمین کانپی تھی

لباسِ خاص

سچی توبہ کی برکتیں

نورِ ہدایت

اور کیا چاہیے !!!!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
91400056741
Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111
BAITUSSALAM

BAITUSSALAM TECH PARK

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

بیت السلام ٹیک پارک

فری آئی ٹی کورسز

FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

اکتوبر 2025ء | ربیع الثانی / جمادی الاولی 1447ھ

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر	قارِی عبدُالرّحمٰن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

فہم و فکر

اور کیا چاہیے!!!	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بحیثیت استاذ و مربی	حکیم شمیم احمد	10
لباسِ خاص	بنت ایوب	12
پُرسکون زندگی	پروفیسر محمد اسلم بیگ	14
مظلوم فلسطین	اشمل تسلیم	15
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں معاشرتی عدل وانصاف	حجاب سید	16
شہدا کی عظمت وفضائل	میمونہ عظیم	18
عالمی یوم خوراک	عذرا خالد	19
سیاست کس کا کام ہے؟	لائبہ عبد الستار	20
جب زمین کانپی تھی	حفصہ سلطان	21

خواتینِ اسلام

ملکہ کوہسار کی شہزادی	ہادیہ جنید	23
نورِ ہدایت	نادیہ عنبر لودھی	24
بلاعنوان	انیسہ عائش	27
رشنا کی واپسی	میر جواد تالپر	28
خواتین کا درد	اُمِّ محمد سلمان	31
سوشل میڈیا کا دھوکا	فاطمۃ الزہراء	32
تقسیم: دل جوڑنے کا ذریعہ	ایمن امیر معاویہ	33

باغچہ اطفال

خاموش جنگل	حفصہ فیصل	34
ننھا احمد اور خون کا عطیہ	ڈاکٹر قدسیہ	34
سچ کا چراغ	آمیلیہ فلک	35
آزادی	حجاب زہرہ	35
پانڈے میاں	سمیرا انور	36
بس اتنا سا	مریم رضوان	37
بے کار سے بیگار بھلی	ڈاکٹر الماس روحی	38
چڑیا اور کسان	ماریہ جبران	38
میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھو	ارسلان اللہ خان	39

بزمِ ادب

جواں تیار ہوتے ہیں	حافظہ سویرا چودھری	42
ماں باپ جڑیں، بنیادیں ہیں	حافظہ وسطی چودھری	43

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	50

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

اور کیا چاہیے!!!!

پاکستان کو مملکتِ خداداد کہا جاتا ہے، یوں ہی نہیں کہا جاتا، حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اللہ تعالیٰ کی عنایات اور کرم کا ایک ایسا نمونہ ہے کہ جس کی قدر، جس کی اہمیت ،جس کی عظمت دنیا پہچانتی ہے۔ دنیا اس کے گن گاتی ہے، باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت میں ہم نے دنیا کی ہر قوم کو پیچھے چھوڑنے کا گویا تہیہ کر لیا ہے۔ یہ اگر کہا جاتا ہے کہ پہلی امتوں میں ایک ایک کوئی خاص گناہ، بد عملی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی تھی تو اس آخری امت میں وہ ساری بُرائیاں اور گناہ جمع ہیں۔ ایسے ہی یہ کہا جا سکتا ہے اور بالکل بجا کہا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر میں ہونے والی تمام بداعمالیوں، احکامِ الٰہی کی نافرمانیوں، عیش پرستی، قوم پرستی، نام ونمود، فحاشی، عریانی اور بے ایمانی پائی جاتی ہے تو پاکستان ان تمام بغاوتوں اور خباثتوں کی آماجگاہ ہے۔

کلمہ لاالٰہ الااللہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی، لیکن ایک آدھ کو چھوڑ کر یہاں ہر حکم ران مداری اور فنکار ہی آیا اور بے چارے حکم ران بھی کیا کریں" جیسی روح ویسے فرشتے" یہاں کے عوام بھی بس موقع ملنے کی تاک میں ہوتے ہیں، جوں ہی موقع ملتا ہے ہاتھ دِکھانے سے نہیں چوکتے۔ یہاں ان چیزوں میں بھی ملاوٹ کی جاتی ہے جو شاید دنیا کے کسی خطے والوں کے ذہن میں بھی نہ آئے، یہاں جگاڑ اور سیٹنگ کے نام پر وہ وہ فنکاریاں دکھائی جاتی ہیں کہ ابلیس بھی اَش اَش کر اٹھتا ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عنایات اور کرم کی بے پایاں بارش ہے جو ہم اہلِ پاکستان پر رِم جھم برستی رہتی ہے۔

قرضوں میں جکڑی ہوئی، گناہوں میں لتھڑی ہوئی اپنی آخرت سے بے فکر اور اپنی دنیا میں مگن اس قوم کو سنبھلنے، اللہ کی طرف لوٹنے کے مواقع بار بار ملتے ہیں، یہ تنبیہ بھی ہے کہ سنبھل جاؤ! سنبھل جاؤ! ایسی بغاوت نہ کرو، ایسی نافرمانی نہ کرو کہ نشانِ عبرت بنا دیے جاؤ۔ اگر کریم ورحیم رب کی رحمت برستی ہے تو جبّار وقہّار مالک کی ناراضی کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، پھر کوئی طاقت کوئی صلاحیت بچا نہیں سکے گی۔ بار بار پیغام آ رہا ہے، مواقع ملے جا رہے ہیں، اللہ کرے ہم سنبھل جائیں اور رجوع الی اللہ اختیار کر لیں، دامنِ رحمتِ الٰہی سے لپٹ جائیں، اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کر لیں، اجتماعی توبہ۔۔۔ تاکہ توبہ استغفار کے انعامات کے بھی حق دار ہو سکیں اور شکرِ الٰہی سے اپنی زبان ہی نہیں سارے وجود کو تر بتر رکھیں، تاکہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ کے حق دار ہو جائیں۔

پاکستان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے مظاہرے ہمیں بار بار دیکھنے کو ملا کرتے ہیں، لیکن ہماری آنکھیں کھلنے میں نہیں آ رہیں۔ ابھی ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایسا فضل فرمایا کہ باقاعدہ، باضابطہ اور سعودیہ کے شاہوں کی رِضا واجازت ہی نہیں بلکہ فرمائش پر حرمین شریفین کی حفاظت اور رکھوالی کا اعزاز ملا ہے۔ یہ تو ایک اکیلی ایسی نعمت ہے کہ اس سے پہلی ساری نعمتیں مل کر بھی شاید اس عظیم نعمت کی گرد بھی نہ پا سکیں، اس سے پہلے دو اور بڑی نعمتیں ہمیں مل چکی ہیں:

پہلی بڑی نعمت: ایٹمی طاقت ہونا یہ تو اسرارِ الٰہی میں سے ایک ایسا راز ہے کہ دنیا حیران وپریشان ہے کہ قرضوں میں جکڑی ہوئی قوم لٹیرے حکم رانوں کے ہاتھوں کنگال ملک کی فوجی طاقت کیسی شاندار اور جاندار ہے کہ سوا ارب سے زیادہ آبادی کئی گنا زیادہ معیشت اور بھاری بھرکم فوجی طاقت کے نشے اور غرور میں مست ہندو حکومت کو پنگے بازی پر کیسے میزائلوں کی بارش کا سامنا کرنا، اس کی بولتی تو بند ہو ہی گئی، دنیا بھی اَش اَش کر اٹھی کہ کیا چیز ہیں یہ پاکستانی!!

دوسری بڑی نعمت: رحمۃ للعالمین ﷺ کی ختمِ نبوت پر ڈاکا زنی کرنے والوں پر ایک ایسی اسمبلی سے ایسے حکم ران کے زمانے میں کفر کی مہر لگی، جس اسمبلی میں علمائے کرام آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے اور حکم ران کی عیش پرستی کی مثالیں دی جاتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی سے یہ عظیم کام کروایا اور رہتی دنیا تک خبر دار کر دیا کہ حرم کی حفاظت کے لیے ابابیل بھیجنے والا رب اپنے محبوب کی ختمِ نبوت کی حفاظت اور اس کے دشمنوں پر کفر کی مہر لگانے کا کام ایسے بندے سے بھی لے سکتا ہے۔

یوں تو پاکستان رحمتوں اور رب کی عنایتوں میں گھری ہوئی سرزمین اور خطہ ہے، لیکن یہ چند بڑی بڑی نعمتیں جہاں ہمارے لیے اعزاز ہیں، وہیں ہمارے لیے تنبیہ بھی ہیں۔ ہمارے حکم ران ہوں یا عوام! فوجی قیادت ہو یا سیاسی سب کو مالک الملک کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہیے۔ دیوالیہ ہوتے ملک کو معاشی بھنور سے نکالا اور جنھوں نے ملک کو بدحالی بلکہ تباہی کے گڑھے میں پہنچایا تھا، انھیں نشانِ عبرت بنا دیا۔ ہمارے حکم ران اور ہم عوام اپنی کسی صلاحیت، طاقت اور نعمت پر غرور نہ کریں۔ عزّت دینے والا رب ناراض ہو جائے تو ذلت کے گڑھے میں گرتے نہیں دیر نہیں لگتی، اس لیے عاجزی رکھیں اور احکامِ الٰہی کی پابندی کریں اور حرمین کی حفاظت کا اعزاز ملنے پر پوری قوم اور حکم ران شکرِ نعمت ادا کریں، تاکہ رحمت وعنایات کی بارش برستی رہے۔

فہمِ قرآن

الانعام 100-105

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (100)

ترجمہ: اور لوگوں نے جنّات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، حالاں کہ اللہ نے ہی اُن کو پیدا کیا ہے اور سمجھ بوجھ کے بغیر اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں، حالاں کہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں، وہ ان سب سے پاک اور بالا و برتر ہے۔ (100)

تشریح نمبر 1: جنّات سے مراد شیطان ہیں اور یہ اُن لوگوں کے باطل عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ تمام مفید مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی ہیں، مگر درندے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور، بلکہ تمام بُری چیزیں شیطان نے پیدا کی ہیں اور وہی اُن کا خالق ہے۔ ان لوگوں نے بظاہر ان بُری چیزوں کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے پرہیز کیا، لیکن اتنا نہ سمجھ سکے کہ شیطان خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ سب سے بُری مخلوق ہے۔ اگر بُری چیزیں شیطان کی پیدا کی ہوئی ہیں تو خود اُس بُری مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے علاوہ جو چیزیں ہمیں بُری نظر آتی ہیں، ان کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اور اُن کی تخلیق کو بُرا فعل نہیں کہا سکتا، بقول اقبال مرحومؒ:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

تشریح نمبر 2: عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا اور عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ (101)

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (101)

ترجمہ: وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کہاں ہو سکتا ہے، جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں؟ اُس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہ ہر ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ (101)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (102)

ترجمہ: لوگو! وہ ہے اللہ جو تمہارا پالنے والا ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا اُس کی عبادت کرو، وہ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے۔ (102)

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (103)

ترجمہ: نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

تشریح نمبر 3: یعنی اس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پا سکتی اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پا لیتا ہے اور اس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔ اس جملے کی یہ تفسیر علّامہ آلوسی رحمہ اللہ نے متعدد مفسرین سے نقل کی ہے اور سیاق و سباق کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ لطافت بھی عام بول چال میں جسم ہی کی صفت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، لیکن لطافت کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جو جسمیت کے ہر شائبہ سے ماوراء ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لطیف اس معنی میں کہا گیا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (104)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کے سامان پہنچ چکے ہیں۔ اب جو شخص آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو شخص اندھا بن جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔ (104)

تشریح نمبر 4: یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو زبردستی مسلمان کر کے کفر کے نقصان سے بچاؤں، میرا کام سمجھا دینا ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (105)

ترجمہ: اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں، (تاکہ تم انھیں لوگوں تک پہنچادو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ تم نے کسی سے سیکھا ہے اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں، ان کے لیے ہم حق کو آشکار کر دیں۔ (105)

تشریح نمبر 5: ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے تو شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود آنحضرت ﷺ نے گھڑ لیا ہے، کیوں کہ وہ آپ (ﷺ) کے اُسلوب سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ اُمی ہیں اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہٰذا وہ قرآنِ کریم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلام کسی نے سیکھا ہے اور اسے اللہ کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن کس سے سیکھا ہے؟ وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک لوہار کا نام لیتے تھے، جس کی تردید سورۂ نحل میں آنے والی ہے۔

فہم حدیث

نماز میں قرأتِ قرآن

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآنِ مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رُکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے، جیسا کہ معلوم و معمول ہے، قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے، جیسا کہ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ۔۔۔الخ اس کے بعد قرآن مجید کی پہلی سورت جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے۔ ہر شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ یہ سورت اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورت کا کوئی حصہ بھی پڑھے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورت یا کسی سورت سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ، قَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ فَمَا أَعْلَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْلَنَّاهُ وَمَا اَخْفَاهُ اَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ آگے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے، ان میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سنا کے پڑھتے ہیں اور جہاں آپ ﷺ آہستہ خاموشی سے پڑھتے ہیں، وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور تم کو سنا کے نہیں پڑھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں نماز کے لیے قرآن کی کسی خاص سورت کا نہیں، بلکہ مطلق قرأتِ قرآن کا رُکن ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث میں راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے، ان ہی میں ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ ﷺ خاموشی سے پڑھتے تھے، وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (رواہ البخاری و مسلم وفی روایۃ لمسلم لمن لم یقرء بام القرآن فصاعدا)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس نے سورۂ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے اور اس کے بعد قرآنِ مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے، لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

نمازِ فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَ نَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهُ بَعْدُ تَخْفِيفًا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورہ قٓ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: شارحین نے آخری خط کشیدہ فقرے کے دو مطلب بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ کی نماز میں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کم تھی اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اوّلین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نماز میں عموماً طویل ہوتی تھیں اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہلِ ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کم زور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں، جن کے لیے طویل نماز باعثِ زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں، لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!

Signature Sauces

MADE WITH
LOVE
CROWNED BY THE
NATION

PAKISTAN'S
NO. 1
*SAUCES

EVERY POUR TELLS A
Different Story

*Foresight Household Panel 2024

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

سچی توبہ کی برکتیں

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللّٰہ

پیغامِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت انبیا علیہ السلام کے واسطے سے یہ پیغام بارہا دیا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اور یہ نظام چلانے والا صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بادشاہ وہی ہے، فیصلہ بس اسی کا چلتا ہے، تمہیں کہیں سے کچھ ہوتا ہوا نظر آئے تو وہ تمہاری نظر کی کوتاہی ہے، سچ یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ عزّت دینے پر آئے تو ذلت کو عزّت میں تبدیل کر دے اور رسوا کرنے پر آئے تو اچھے اچھے عزّت داروں کی عزّت تار تار ہو جائے۔ وہ چاہے تو موت کی دہلیز پہ کھڑے کو زندگی دے دے اور وہ چاہے تو ہنستی کھیلتی زندگی کو موت میں تبدیل کر دے۔ چاہے تو خوش حالوں کو محتاج بنا دے اور اگر چاہے تو مٹی کو سونا بنا دے۔ یہ وہ پیغام ہے جو اللہ کا ہر نبی، اللہ کا ہر پیغمبر، اللہ تعالیٰ کا ہر پیارا انسانیت کو سناتا ہے۔

اللہ کے دشمن کی سزا:

سوچنا چاہیے اگر ہمارا کوئی ملازم اور ماتحت ہمیں ناراض کر کے اس گھر میں سکون سے نہیں رہ سکتا تو کائنات کے مالک کو ناراض کرنے والا سکون سے کیسے رہ سکتا ہے؟ اس لیے اللہ کا فرمان ہے: میری فرماں برداری میں تو تمہاری زندگی اچھی گزر سکتی ہے، ناراض کیا تو تمہاری زندگی اچھی نہیں گزر سکتی۔ ارشاد ہے: وَخَافُوْنِ اگر کوئی ڈرنے کے لائق ذات ہے تو وہ میری ذات ہے، بس مجھ سے ڈرو! اگر تم مجھ پر ایمان رکھتے اور مجھے پہچانتے ہو۔ اس کائنات کے ذرّے ذرّے پتّے پتّے پہ اس کا اختیار ہے، قطرے قطرے پہ اس کا حکم چلتا ہے۔ سزا میں دیر سویر ہو سکتی ہے، لیکن آئے گی ضرور! بسا اوقات دھوکا ہوتا ہے کہ اللہ کے نافرمان تو دنیا میں ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزارتے ہیں، یہ ناسمجھی ہے۔ بھلا اللہ کے دشمن کے لیے اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ وہ بغیر ایمان کے مرتا ہے، وہ سرکش اور باغی ہو کے مرتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: بن نماز کے مسلمان نہیں ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ہر امت کی کوئی خاص خوبی ہوتی ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ اس امت کا آدمی ہے۔ میری امت کی سب سے خاص خوبی اس کی شرم و حیا ہے۔ بن حیا کے ایمان کہاں؟ اور بن نماز کے مسلمان کیسا۔۔۔؟ کلمہ پڑھا ہو، رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر ماننے کا بول بولا ہو، لیکن کہیں سے مسلمان لگتا نہیں ہے اور مسلمان زبان کے بول کا نام نہیں ہے۔۔۔ وہ ایک حقیقت ہے، وہ ایک زندگی ہے، وہ ایک دستورِ حیات ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات میں رب کی بات مانی جاتی ہے۔ اس کائنات کا ہر ذرّہ رب کی بات مانتا ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز اللہ کے حکم کی محتاج ہے۔ اس سے ڈرنا ہے، لیکن وہ کریم رب ہے، وہ بندے سے کہتا ہے کہ تو میری نہ بھی مان، پھر بھی میں تجھ سے راضی ہوں گا، بس شرط یہ ہے کہ گناہوں پر معافی مانگ لیا کر، سرکش اور باغی نہ بن۔ گناہوں پہ اترایا نہ کر، گناہ کو اسٹیٹس نہ بنا، گناہوں پہ فخر نہ کر، گناہ ہو گیا کوئی بات نہیں، سو بار ہو گیا، بس معافی مانگ لے، تب بھی میں راضی ہو جاؤں گا۔

امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے رب کی دو امانیں:

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: اللہ نے میری امت کو دو امانیں دی ہیں، جب تک وہ امانیں ہوں گی، اس کے غصے سے، اس کی ناراضی سے، اس کی پکڑ اور اس کے غضب سے محفوظ رہے گا۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے قرآن کی آیت پڑھی کہ یہ بات اللہ نے اپنے کلام میں فرمائی ہے۔

پہلی امان: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ جب تک آپ ﷺ ان کے درمیان ہوں گے، میں انھیں عذاب نہیں دوں گا۔

دوسری امان: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور جب تک آپ ﷺ کی امت معافی مانگتی رہے گی، تب بھی میں انھیں عذاب نہیں دوں گا۔

جب شرم و حیا نہ رہے:

افسوس! اب گناہ گناہ نہیں رہا۔ گناہوں کو لوگوں نے ثقافت سمجھ لیا۔ بے حیائی کو لوگوں نے روشن خیالی سمجھ لیا۔ بدکاری کو بدقسمتی سے تجارت سمجھ لیا۔ حرام پر فخر کرنے لگے ہیں۔ پہلے گناہ ہوتے تھے، لیکن شرم بھی ہوتی تھی۔ اب تو بے شرم ہو گیا، کھلے عام کرتا ہے، ناچتا بھی کھلے عام ہے، گاتا بھی کھلے عام ہے، حرام بھی کھلے عام

کھاتا ہے، بے شرم ہو گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے: إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب شرم ہی نہ رہے، دیکھا گیا ہے بچہ غلطی کرتے ہوئے باپ سے بچنے اور چھپنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن میں شرم ہی نہ رہے تو باپ کے سامنے بھی کھڑا ہو جاتا ہے، ماں کے سامنے بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ بندہ جب تک بندہ بن کے رہے غلطی ہو جانے پر شرمندہ ہوتا ہے، معافی مانگتا ہے، توبہ کرتا ہے یا کرتی ہے تو اللہ کریم کہتا ہے: میرے بندے کو پتا ہے اس کا کوئی رب ہے، جو معاف کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، چل میں نے معاف کر دیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد غلطی کر دے تو میرا اللہ کہتا ہے: میرے بندے کو پتا ہے اس کا کوئی رب ہے، جو معاف کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، چل میں نے معاف کر دیا۔ پھر غلطی کرتا ہے، پھر گناہ کرتا ہے، پھر کہتا ہے: اللہ معاف کر دے۔ رب کہتا ہے: میرے بندے کو پتا ہے کہ اس کا رب ہے، جو معاف کرنے والا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے، چلو میں نے معاف کر دیا۔ بارہا غلطی کرے، بارہا غلطی کرے، معافی مانگ لے تو پھر بھی وہ راضی ہو جائے گا، لیکن آج کل تو کھلم کھلا سرکشی ہے، بغاوت ہے، کھلے عام اللہ کی نافرمانی کی جا رہی ہے اور پوری ڈھٹائی سے کی جا رہی ہے اور پھر اس کی تشہیر بھی کی جاتی ہے۔

گناہوں کا تریاق:

اس امت کے پاس امان تھی۔ غلطی ہونے گناہ ہو جانے پر معافی مانگنے اور توبہ کرنے پر امان مل جاتی تھی۔ مانگ لیتا اللہ کہتا معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے بندے میں غلطی اور گناہ کا مادّہ رکھا ہے، لیکن ساتھ ہی اس غلطی اور گناہ کا تریاق بھی بھیجا ہے کہ معافی مانگ لے اور توبہ کرنا، ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ بسا اوقات سچی معافی مانگنے والا بڑے بڑے عبادت گزاروں سے آگے نکل جاتا ہے۔

استغفار کو استغفار کی ضرورت:

آج کل کے مسلمانوں کی کیسی زندگی ہے؟ ان کے گھروں میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی اولادیں کھلے عام اللہ کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کے ماتھے پے بل تک نہیں آتا، نہ جوں تک رینگتی ہے۔ فرمانِ نبی ﷺ کی رو سے یہ دیوثیت ہے کہ گھروں میں شرم و حیا ہی نہ رہے اور بڑوں کو احساس نہ ہو گھروں میں بے نمازی ہیں اور اس مسلمان کو فکر ہی نہ ہو، یہ کون سی دین داری ہے۔۔۔؟ غلطی ہو جانا حقیقت ہے، لیکن معافی مانگنا اس غلطی کا علاج ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: یہ معافی اتنی بڑی عبادت ہے کہ اللہ اس کی برکتیں اس دنیا کے اندر بھی اسے نصیب فرماتا ہے اور فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے دل کی سچائی سے معافی مانگتا ہے، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ استغفار زبان سے نہیں ہوتا، زبان کے بول کا نام استغفار نہیں ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ اس امت کی بہت بڑی عارفہ اور اللہ والی تھیں۔ کہا کرتی تھیں ہمارا استغفار بھی استغفار کے قابل ہے۔

استغفار تو یہ ہے کہ بندے کے دل میں ندامت ہو کہ کیوں ہو گیا؟ کیوں غلطی ہو گئی؟ شرمندگی ہو جائے، دل رو رہا ہو اور تڑپ کے اللہ سے معافی مانگ رہا ہو تو ایسی کیفیت میں پہاڑوں کے گناہ بھی مٹ جایا کرتے ہیں، جیسے ایٹم کے ذرّے سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح استغفار میں ایسی طاقت ہے کہ پہاڑ جیسے گناہوں کا نام و نشان نہیں رہتا۔

سچی توبہ کے تین انعامات:

دل کی سچی ندامت اور کثرتِ استغفار کی برکت سے تین انعام ملتے ہیں۔

پہلا انعام: اللہ ہر تنگی سے کوئی راستہ نکال دے گا۔

دوسرا انعام: اللہ تعالیٰ ہر تنگی ہر مشکل سے اللہ راستہ نکالیں گے اور ہر غم سے نجات نصیب فرمائیں گے۔

تیسرا انعام: اللہ اس کے معاش کا انتظام وہاں سے کریں گے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا۔

اور بھلا کیا چاہیے؟ جب غم بھی نہ رہے، مشکلات بھی آسان ہو جائیں۔ اللہ معاش بھی، رزق بھی عزّت کا بنا دے۔

لوگ اکثر وظیفے پوچھتے ہیں، جب ان سے کہتے ہیں: میاں! اللہ کی نافرمانی پر دل سے معافی مانگ لو تو جواب ملتا ہے: ہم تو کوئی گناہ نہیں کرتے، کیوں کہ ان کی نظر میں گناہ کیا ہے؟ کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لے لینا، ڈاکا مارنا، شراب پی لینا، زنا کر لینا، یہ چند گناہ ہیں بس! اس کے علاوہ ان کے گناہوں کی فہرست ختم ہو جاتی ہے۔ نماز پڑھتے نہیں۔ پڑھیں تو پابندی نہیں۔ پردے اور شرم و حیا کا نام و نشان نہیں۔ آمدنی حلال ہے یا حرام اس کی کوئی فکر نہیں، یعنی گناہ کی فہرست چھوٹی سی ہو گئی۔ قتل، ڈاکا، شراب، زنا، باقی سارے کام اس کی زندگی کا حصہ بن گئے۔

نماز کے بعد استغفار:

اللہ کے پیارے نبی ﷺ نماز مکمل کرنے کے بعد بھی کہا کرتے تھے: استغفر اللہ! استغفر اللہ! استغفر اللہ! اور امت کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ نماز پوری کرو تو کہو استغفر اللہ! استغفر اللہ! استغفر اللہ! نماز جیسی اعلیٰ عبادت کے بعد بھی معافی مانگ رہے ہیں کہ پتا نہیں صحیح ادا ہوئی ہے یا نہیں ہوئی اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں تو اپنے گناہ بھی نظر نہیں آتے۔

ہر مشکل ہر پریشانی کا علاج:

حادثات کا زمانہ ہے۔ مسائل اور پریشانیوں کا زمانہ ہے۔ ہماری حالت یہ ہے، ہماری نظریں مادّی وسائل پر ہوتی ہیں کہ یوں ہوا تو یہ ہو جائے گا اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ خود بخود کچھ نہیں ہوتا، جو ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہاں کوئی چیز اچانک نہیں ہوتی، اللہ کے فیصلے سے ہوتی ہے۔ کوئی چیز محض اسباب کے بَل بوتے پر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کی منشا پر ہوتی ہے۔ حادثات اور پریشانیوں کے اس دور میں ہمیں وہ امان استعمال میں لانی چاہیے، جو رہتی دنیا تک ہمارے پاس موجود ہے، یعنی سچی توبہ و استغفار! اسی سے ہر مشکل دور ہو گی، ہر پریشانی چھٹے گی، ہر غم دور ہو گا۔ مالی ترقی ہو یا کوئی بھی معاملہ حل اور نجات صرف سچی توبہ و استغفار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل کی سچائی سے معافی کی عبادت نصیب فرمائے۔ آمین!!

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیتِ استاذ و مربی

حصہ دوم

حکیم شمیم احمد

بطورِ امتحان سوال کرنا:

آپ ﷺ کبھی کبھی بعض صحابہ کرام کا امتحان لیتے اور کبھی علمی چیز کے بارے میں ان سے سوال کرتے، تاکہ ان کی ذہانت و واقفیت معلوم کریں، وہ اگر صحیح جواب دیتے تو آپ ان کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور تعریف و ہمت افزائی کرتے۔ یہ محسوس کرانے کے لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ ان سے محبت کرتے اور ان کے اچھے جواب کی قدر دانی فرماتے ہیں مثلاً: امامِ مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جن کی کنیت ابو منذر تھی۔ وہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے مجھ سے سوال کیا کہ "ابو منذر! تمہارے نزدیک قرآنِ کریم کی کون سی آیت بڑی اور اہم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو منذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک اللہ کی کتاب میں کون سی آیت سب سے عظیم الشان ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ فرماتے ہیں کہ جواب سن کر آپ ﷺ نے میرے سینے پر دستِ مبارک مارا اور فرمایا: ابو منذر! علم تمہیں مبارک ہو۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے جب مجھے یمن بھیجا تو مجھ سے فرمایا: "کوئی مقدّمہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟" میں نے عرض کیا: "قرآنِ کریم کی آیات سے فیصلہ کروں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "قرآنِ کریم میں مقدّمہ سے متعلق کوئی آیت نہ ملی تو۔۔۔؟" میں نے عرض کیا: "سنتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر سنت سے بھی کوئی رہنمائی نہ ملی تو؟" میں نے عرض کیا: "میں اپنی سوجھ بوجھ اور رائے سے فیصلہ کروں گا، غور وفکر میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔" معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس جواب پر آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "تمام حمد و ثنا اس خدائے پاک کی ہے، جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی توفیق دی جو رسول اللہ کے منشا کے مطابق ہو۔"

ہاتھ یا کندھا پکڑ کر بات کرنے کا انداز:

کبھی کبھی آپ ﷺ مخاطب کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لیے اس کا ہاتھ یا کندھا پکڑ لیتے، تاکہ جو کچھ آپ ﷺ فرما رہے ہیں اس کو غور سے سنے اور کان، آنکھ، دل تینوں متوجہ ہو جائیں اور اچھی طرح سمجھے اور یاد کر لے۔

عبداللہ بن سخبرہ ابو معمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے تشہد یعنی

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کی تعلیم اس طرح دی کہ میری ہتھیلی آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، اس طرح جس طرح آپ ﷺ مجھ کو سورۂ قرآنی سکھاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم پردیسی ہو یا سفر میں ہو۔ اپنے آپ کو اہلِ قبر یعنی مردوں میں شمار کرو، (یعنی گویا تم مر چکے ہو اور حساب کتاب ہو رہا ہے، اس تصوّر کے بعد انسان آخرت کی کیسی تیاری کرے گا؟) اس لیے کہ موت تو آنی ہی ہے، کب آجائے کچھ خبر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جب رات آجائے تو دن آنے کی اُمید نہ رکھو، (یعنی دن آنے تک زندہ رہنے کا یقین نہ رکھو کہ موت کا کچھ پتا نہیں کب آجائے) اور جب صبح ہو جائے تو رات آنے کی اُمید نہ رکھو، حالتِ صحت میں حالتِ مرض کے لیے کمائی کر لو اور زندگی سے موت کے بعد کے لیے کمائی کر لو، اس لیے کہ اے عبداللہ! تمہیں کچھ خبر نہیں کہ تم کل کس نام سے پکارے جاؤ گے۔ (یعنی صالحین کے زمرے میں ہو گے یا گناہ گاروں کے)

جلیل القدر تابعی ابو العالیہ فرماتے ہیں گورنر ابنِ زیاد نے نماز میں تاخیر کر دی تو میرے پاس عبداللہ بن صامت آئے۔ میں نے ان کے لیے ایک کرسی رکھ دی، وہ اس پر بیٹھ گئے اور پھر میں نے ابنِ زیاد کے نماز تاخیر سے پڑھنے کا تذکرہ کیا۔ (میرا بیان سن کر) انھوں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا اور میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا اور فرمایا میں نے ابوذر سے اس طرح سوال کیا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو انھوں نے میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا، جس طرح میں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے اور فرمایا: بلاشبہ میں نے حضور ﷺ سے اسی طرح سوال کیا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو آپ ﷺ نے میری ران پر اسی طرح ہاتھ مارا جس طرح میں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے اور فرمایا: نماز وقت پر پڑھا کرو، جب لوگوں کے ساتھ نماز کا وقت آجائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو، یہ نہ کہو کہ میں پڑھ چکا ہوں، لہٰذا نماز نہ پڑھوں گا۔ نماز کی اس

طرح پابندی خیر کو بڑھاتی ہے۔

تعلیم کے لیے گذشتہ قوموں کے حالات بیان کرنا:

آپ ﷺ صحابہ کرام کے سامنے قصوں اور گذشتہ قوموں کے حالات و واقعات بیان فرماتے، جس کا سننے والوں پر بہت اچھا اثر پڑتا اور اس طرح ان کے ذہن کو بہتر طریقہ پر موڑا جاتا۔ اس لیے کہ سامعین بڑی توجہ اور پوری بے داری کے ساتھ ان قصّوں اور حالات کو سنتے، جن کا دل پر بہتر سے بہتر اثر پڑتا، اس لیے کہ اس میں مخاطب کو کرنے نہ کرنے کا کوئی حکم نہ ہوتا، بلکہ دوسروں کے حالات بیان فرما کر ان کو سبق دیتے اور نصیحت حاصل ہوتی۔ نمونہ سامنے آتا اور اقتدا کا احساس از خود بے دار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعلیم میں یہی اندازِ بیان پیش فرمایا ہے، ارشادِ ربّانی ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ فُؤَادَكَ (هود:120)

"اے محمد (ﷺ)! اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں، ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنے بھائی سے جو دوسرے گاؤں میں رہتا تھا، ملاقات کو چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ کو لگا دیا۔ جب فرشتہ اس شخص کے پاس آیا تو سوال کیا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا۔ اس گاؤں میں میرا بڑا بھائی رہتا ہے، اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے سوال کیا: کیا اس کے پاس تمہاری کوئی جائداد وغیرہ ہے، جس کو دیکھنے اور نگرانی کی غرض سے جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا: نہیں، ایسا کوئی مقصد نہیں ہے، اس سے اللہ واسطے محبت کرتا ہوں، اس محبت ہی کے سبب اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کر اس فرشتہ نے کہا: مجھے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اپنے اس بھائی سے محبت کے سبب تم سے محبت کرتا ہے۔

اسی انداز سے تعلیم دینے کا آپ ﷺ کا وہ طریقہ بھی ہے، جس سے حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں پر رحم کرنے اور ان کا خیال رکھنے کی تعلیم دی ہے اور ان کو تکلیف پہنچانے اور ستانے پر عذابِ خداوندی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک شخص سفر کر رہا تھا۔ دورانِ سفر اس کو بہت زور کی پیاس لگی۔ اس کو ایک کنواں ملا، وہ کنویں کا پانی پی کر باہر نکل آیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے ایک کتا ہانپ رہا ہے اور (پیاس کی شدّت میں) کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس آدمی نے اپنے دل میں کہا یہ کتا بھی پیاس کی شدّت کی اُس تکلیف میں بتلا ہے جس میں، میں تھا۔ چناں چہ وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے خف میں پانی بھرا اور اس کو اپنے منھ سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ اوپر آ گیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اس کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس کی مغفرت فرما دی۔

یہ واقعہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! کیا جانوروں پر رحم کرنے اور ان کو آرام پہنچانے سے ہم کو ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار چیز کو آرام پہنچانے میں ثواب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ اتنے میں بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کی اُس پر نظر پڑی، اس نے اپنا خف نکالا اور دوپٹہ سے باندھ کر اس کے ذریعہ پانی نکالا اور یہ پانی اس کتے کو پلا دیا۔ اس کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی بلی کو باندھ دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ اس کے سبب اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا، چوں کہ اس نے بلی کو باندھ دیا اور اس کو کھانا دیا نہ پانی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم: خارجہ بن زید بن ثابت اپنے والد زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ یہود کی کتاب سے کچھ جملے سیکھ کر آپ کو بتاؤں۔ فرمایا کہ مجھے یہود کی طرف سے اپنی کتاب (یعنی خط و کتابت) کے بارے میں اطمینان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں نصف ماہ بھی نہیں گذرا تھا کہ میں نے آپ ﷺ کے لیے اس کو سیکھ لیا اور جب میں نے اس کو سیکھ لیا تو اس کے بعد جب آپ ﷺ یہود کو خط لکھنا چاہتے تو میں ہی ان کو خط لکھتا اور وہ لوگ حضور ﷺ کو لکھتے تو ان کا خط آپ ﷺ کو میں ہی پڑھ کر سناتا۔ (صحیح بخاری، جامع ترمذی)

حدیث سے معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کے لیے دوسری قوموں کی زبان سے کام لینا، آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے ثابت ہے اور تعلیم کے لیے یہ بھی آپ ﷺ کا ایک انداز تھا اور ہمارے اس دور کی زبانیں جو کائناتی علوم کی کنجی ہیں، عجمیوں اور فرنگیوں کے باہم قریب ہو جانے اور دوسری قوموں کے ساتھ ترقی کرنے کے لیے ضروری ہو گئی ہیں۔ یہ زبانیں باہمی تعارف کے لیے جو زندگی گزارنے اور قوموں کے باہم اختلاط کے وقت انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے کنجی کا درجہ رکھتی ہیں، نہایت ضروری ہو گئی ہیں۔

شیخ صفی الدّین حلی نے جو کئی زبانیں جانتے تھے، چند اشعار میں اس کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

بِقَدرِ لُغَاتِ الْمَرْءِ يَكْثُرُ نَفْعُهُ ... فَتِلْكَ لَهُ عِنْدَ الْمُلِمَّاتِ أَعْوَانُ

تَهَافَتْ عَلَى حِفْظِ اللُّغَاتِ مُجَاهِداً ... فَكُلُّ لِسَانٍ فِي الْحَقِيقَةِ إِنْسَانُ

آدمی جتنی زیادہ زبانیں جانتا ہے، اس کا فائدہ بھی اسی کے بقدر عام ہوتا ہے اور یہ زبان دانی تمام مسائل و پریشانیوں کے وقت بہت معاون ہوتی ہے۔ تم زبانوں کو سیکھنے کی جلد کوشش کرو کہ ہر زبان حقیقتاً انسان ہے۔ (عبدالفتاح ابو غدہ کی تصنیف "حضور ﷺ استاد و مربّی" سے ماخوذ)

لباسِ خاص

بنت ایوب مریم

انسانی فطرت

انسانی فطرت ہے کہ انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے اور سائنسی قانون ہے کہ کششِ مخالف میں ہوتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے لیے مرد اور عورت کو نکاح کے مضبوط اور پاکیزہ بندھن میں باندھ دیا۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے نکاح میں ساتھی کی صورت انھیں حضرت حوّا علیہا السّلام عطا کی گئیں۔

نکاح کی برکت

میاں بیوی میں نکاح کی برکت سے محبت اور قلبی میلان پیدا ہو جانا اللہ کی خاص عطا ہے۔ باہمی مودّت کا جنم لینا اللہ کی رحمت ہے کہ دو اجنبی "قبول ہے" کہتے ہی اپنا دل و جان، احساسات وجذبات ایک دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں۔

شوہر مکان بناتا ہے اور بیوی اسے اپنی محبت، توجہ، صبر اور اخلاص سے گھر بناتی ہے۔اسی لیے بیوی کو چاہیے کہ خود کو شوہر کی ذات کے لیے وہ گہوارہ بنائے، جہاں اسے قلبی سکون اور ذہنی اطمینان میسر رہے۔

شوہر دن بھر کی جاں گسل مشقت کے بعد جب بیوی کو دیکھے تو اپنی تھکن بھول جائے۔ بیوی شوہر کی خوب تعظیم کرے، فرماں بردار بن کر رہے کہ اللہ نے مرد کو عورت پہ فضیلت دی ہے۔

جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

بیوی کیا کرے؟

بیوی کو چاہیے کہ شوہر کی جیب دیکھتے ہوئے خرچ کرے۔اگر وہ کما رہا ہے، محنت کر رہا ہے تو اللہ نے جو دیا ہے، اس پہ صبر و شکر کر کے شوہر کی ہمت بندھائے۔اگر آج آپ ناشکری کریں گی، شوہر کو کوسیں گی، ضروریات بڑھا کر شوہر پہ بوجھ بنیں گی تو ہمیشہ کے لیے شوہر کے دل سے اتر جائیں گی۔جب کہ عین ممکن ہے صبر و شکر کریں تو عنقریب اللہ آپ کو فراوانی سے نواز دے۔

بیویوں میں ایک بُری عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ چشم پوشی کرنا نہیں جانتیں، ذرا سی بات شوہر نے کہی، دو چار مزید لگا کر آگ بھڑکا دی، میکے میں فون کیا، اپنے بچوں کو باپ کے خلاف اُکسایا۔ میاں بیوی میں معاملات وقت کے ساتھ خود ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں، لیکن آپ کے میکے والوں کے دل میں داماد کا عکس خراب ہو جاتا ہے۔اس لیے اپنے شوہر کا لباس بنیں، اسے راحت پہنچائیں تکلیف نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ بے سکون ہی رہے یا شادی پہ پچھتائے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ: 187)

وہ لباس ہیں تمہارا اور تم لباس ہو ان کا۔

تیسرا حائل نہ ہو

میاں بیوی کے رشتے کو لباس سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے لباس اور پہننے والے کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی، اسی طرح میاں بیوی کے درمیان کوئی تیسرا حائل نہیں ہونا چاہیے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے خاص لباس ہیں اور یہ وہ لباسِ خاص ہے کہ اس جیسا کوئی لباس کبھی تھا، نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔

میاں بیوی کے رشتے میں ان دونوں کے علاوہ ہر ذی روح شخص تیسرا ہی ہوتا ہے۔ادب و لحاظ تمام رشتوں کا کریں، لیکن یاد رکھیں کہ کوئی تیسرا آپ کے رشتے کو گزند نہ پہنچا سکے۔غلط فہمیاں پیدا نہ کرے۔ آپ اس کی بات ضرور سنیں، لیکن اسے بنیاد بنا کر ہم سفر سے مت جھگڑیں۔ کسی سے اتنی ہی رائے لیں، جس سے آپ اپنے ساتھی کا نقصان نہ کریں۔

آخری سہارا

ہر رشتے کے حقوق پورے کریں، لیکن میاں بیوی کی عائلی زندگی اصول وضابطے کی بجائے باہمی سمجھ داری اور حقوق وفرائض سے آگے کی ہے۔ ہر رشتے کو اہمیت دیتے ہوئے ہم سفر کو ترجیح دینا مت بھولیں کہ کل ماں باپ نہیں ہوں گے۔ بہن بھائی اپنی زندگی میں مصروف ہوں گے اور اولاد اپنی کام یابیوں کے سفر پہ گامزن رہے گی۔آپ کا واحد اور آخری سہارا ہم سفر کی رَفاقت ہی ہوگی۔اس لیے ان کے ساتھ اپنا آج بہتر بنائیں کیوں کہ یہی آپ کا کل بھی ہیں۔خواتین یہاں غلطی کرتی ہیں، شوہر کو نظر انداز کر کے سسرالی رشتوں یا ماں باپ کو ہی سب کچھ سمجھ لیتی ہیں اور پھر اولاد کو بھی شوہر پہ فوقیت دیتی ہیں۔ غرض شوہر کے سوا ہر رشتہ نبھاتی ہیں، لیکن جب بڑھاپے کی دہلیز اوڑھ لیں تو آپ کبھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں پائیں گی۔اس لیے آج سے ہی ہم سفر کی قدر کرنا سیکھیں۔زمانے کی پروا کیے بغیر ایک دوسرے کے جائز شوق پورے کریں۔ایک دوسرے کو اپنے مزاج پہ لانے کی بجائے، دوسرے کا مزاج سمجھیں۔اس کے ساتھ وقت گزاریں، اس کی کاوش اور محنت کو سراہیں۔ کبھی کبھار لازماً زینت اختیار کریں یا کچھ اچھا بنا کر خاص ہونے کا احساس دلایا کریں کہ پودے بھی آبیاری کو پانی مانگتے ہیں۔

Perfect
FRESHENER

COMPLEX. REFRESHING. ALLURING.

ProudlyMadeInPakistan

پُرسکون زندگی

حصہ دوم

پروفیسر محمد اسلم بیگ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

کاغذ پر نظر پڑتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ دو تین دن سے مسلسل ایسی خبریں آ رہی تھیں، جن سے میں بہت دل گرفتہ تھا اور اپنے دو تین ذاتی معاملات کی وجہ سے بھی رنجیدہ تھا۔ اس کاغذ پر لکھی تحریر میرے لیے خوش گوار اور تازہ ہوا کا ایک جھونکا ثابت ہوئی۔ کاغذ پر یہ عبارت درج تھی:

میری زندگی کا نچوڑ: (1) نیکی کا کوئی موقع ضائع نہ کریں۔

(2) دوسروں کو معاف کر دیں اور اگر ہو سکے تو برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔

(3) لمحہ موجود میں جییں۔

پہلی دو باتیں گزشتہ قسط میں بیان ہو چکیں، تیسری اہم بات چل رہی ہے۔ یعنی لمحہ موجود میں جییں۔ اب آگے پڑھیے۔

1۔ گہرے سانس لینا:

گہرے سانس لینے کا عمل جسمانی، روحانی اور نفسیاتی ہر طرح کی صحت کے لیے بہت اہم ہے۔ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے جب مرحوم سبحان انعام اللہ خان حیات تھے۔ اُن کی باتیں اور اُن کے کارنامے روزنامہ اسلام کے اندرونی صفحات میں شائع ہوتے تھے۔ وہ اپنی ہی گفتگو میں گہرے سانس لینے کی مشق پر بہت زور دیتے تھے۔ یہ جتنی آسان مشق ہے، اتنی ہی اہم بھی ہے۔ آپ دیگر مشقیں یا ورزشیں کرتے ہیں یا نہیں، لیکن یہ مشق ضرور کیا کریں۔ اس کے بیش بہا فائدے ہیں۔ یہ تین طریقوں سے کی جاتی ہے: (1) سیدھے کھڑے ہو کر ناک سے اس طرح زور زور سے سانس لیں کہ سارا زور پیٹ پر آئے۔ پیٹ اندر اور باہر کر کے سانس لیں اور نکالیں۔ اس سے گہرے سانس لینے کی ورزش بھی ہو جائے گی اور پیٹ کے اندرونی اعضا بھی مضبوط ہو جائیں گے۔ (2) سیدھے کھڑے ہو کر یا سیدھے بیٹھ کر ناک سے بہت گہرا سانس لیں اور جتنی دیر ہو سکتا ہے سانس روکے رکھیں، پھر آہستہ آہستہ ناک سے سانس باہر نکالیں۔ شروع میں کم دیر کے لیے روکیں پھر وقفہ بڑھاتے جائیں۔ شروع میں تین مرتبہ صرف گہرے سانس اندر لینے اور باہر نکالنے کی مشق کریں۔ اس کے بعد جب دورانیہ یا وقفہ بڑھائیں تو اس میں درود شریف کی برکت بھی شامل کر دیں۔

طریقہ یہ ہو گا کہ سانس اندر کی طرف کھینچتے ہوئے اللہ اکبر کا وِرد کریں۔ جب پورا سانس کھینچ لیں تو سانس روکے رکھیں اور اس دوران انگلیوں کے پوروں پر گن کر کوئی بھی مختصر درود شریف پڑھنا شروع کر دیں۔ الفاظ پر غور کریں اور روضۂ رسول ﷺ کو نگاہوں میں لائیں، توجّہ مرکوز کریں۔ آنکھیں بند رکھیں۔ شروع میں سانس روک کر پانچ مرتبہ مختصر درود شریف پڑھیں، پھر سانس آہستہ آہستہ باہر نکالیں اور سبحان اللہ کا وِرد کریں۔ اس کے بعد یہی پورا عمل چھ مرتبہ درود شریف پڑھ کر کریں۔ یوں ہر مرتبہ درود شریف کی تعداد بڑھاتے جائیں، یعنی سانس بتدریج زیادہ دیر تک اندر روکے رکھیں، یہاں تک کہ درود شریف کی تعداد بارہ تک پہنچ جائے۔ بارہ پوروں پر ان کو گننا کوئی مشکل نہیں۔ سانس روکنے کی یہ مشق لمحہ موجود میں رہنے کی بہترین مشق کے ساتھ ساتھ دیگر جسمانی اور نفسیاتی عوارض کا حل بھی ہے۔ (3) (بالکل سیدھے کھڑے ہو کر، اگر کوئی مجبوری ہو سیدھے بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں) ایک نتھنے کو انگلی سے بند کر کے دوسرے سے سانس اندر کھینچیں۔ کچھ دیر روکے رکھیں اور اس دوران مختصر درود شریف مثلاً صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ کا وِرد کریں اور پھر پہلے نتھنے سے آہستہ آہستہ باہر نکالیں۔ یہ عمل نتھنے بدل بدل کر کریں۔ آخر میں چند مرتبہ سانس ناک سے لے کر منہ سے نکال سکتے ہیں، لیکن منہ سے نکالتے وقت زور سے نکالیں۔ گہرے سانس لینے اور باہر نکالنے کی یہ تینوں مشقیں روزانہ صبح سویرے کریں، کیوں کہ صبح کی ہوا خالص ترین ہوتی ہے۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کو اس کے فوائد معلوم ہونا شروع ہو جائیں گے۔

(ii) تحدیثِ نعمت وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ (الضحیٰ: 11) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا اور ان پر شکر ادا کرنا ایک بہت سکون بخش عمل ہے۔ پُر سکون ہو کر بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کی اُن تمام نعمتوں کو باری باری ذہن میں لائیں جو آپ کو میسر ہیں۔ مثلاً صحت، خوراک، رہائش، دولت، ملازمت، اولاد، والدین، بہن بھائی، اچھے پڑوسی، اچھے دوست اور دیگر بہت سی سہولیات پر دل میں بھی اور زبان سے بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔

میری ایک رشتہ دار خاتون ہر تھوڑی دیر بعد یہ کہتی ہیں: "یا اللہ! آپ نے بہت کچھ دیا ہے، ورنہ میں تو اس قابل نہیں تھی۔" یہ جملہ وہ زبان سے ادا کرتی ہیں۔ اس سے سننے والوں کو بھی شکر ادا کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ جملہ دہراتے ہیں: الحمد للہ! میں بہت خوش قسمت ہوں، نبیِ رحمت ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے حصہ مقرر کیا ہے، اس پر راضی رہو تو غنی ترین لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (سنن ترمذی)

کسی دانش ور کا یہ جملہ شاید آپ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کی تشریح ہے۔ "خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔"

(iii) روشن مستقبل:

اگر ہم لمحہ موجود سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو ایک شان دار اور روشن ہمارے لیے چشم براہ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی خام خیالی کی وجہ سے موجودہ حالات سے غیر مطمئن رہتے ہیں۔ حالات ہمیشہ اچھے ہی ہوتے

آج میرے یہ چند الفاظ ان فلسطینی بچوں کے نام جن کی زندگی شروع ہوتے ہی چھین لی گئی۔ ان عورتوں کے نام جنھوں نے اپنے لختِ جگروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے زندگی ہارتے دیکھا، ان جوانوں کے نام جنھوں نے ارضِ قدس کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، وہ لوگ جو کٹ مر گئے، لیکن سر نہ جھکایا۔

جن کے بارے میں شاعر کہتا ہے

وہ لوگ جنھوں نے خوں دے کر اس چمن کو زینت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے، گم نام نہ جانے کتنے ہیں

آج جسَدِ مسلم کے ایک عضو کو مسلسل داغا جا رہا ہے۔ ارضِ قدس! فلسطین! پیغمبروں کی زمین! ہمارے اسلاف کا مسکن! آج وہاں ہر طرف ویرانی کا عالم ہے، چہار سو آسودگی ہے۔ وہاں روز کئی آندھیاں چلتی ہیں اور بہت سے پھول مرجھا جاتے ہیں۔ ارضِ قدس کی پاکیزہ زمین معصوم شہدا کے خون سے تر ہو چکی ہے۔ وہاں کی ہر گلی، ہر رہ گزر اس ظلم کی گواہ ہے جو معصوموں سے ان کی مسکراہٹیں اور خوشیاں چھین چکا ہے۔

وہاں کے مظلوم مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے نیند سے بیدار ہونے کے منتظر ہیں، اس غفلت کی نیند سے جس نے ان کے دل کی آنکھوں کو اندھا کر کے انھیں ہر چیز سے غافل کر دیا۔ آج کا مسلمان منتظرِ فردا ہے۔

اس وقت مسلمانوں کو اتحاد کی ضرورت ہے، جذبۂ ایمانی کی ضرورت ہے، وہ جذبۂ ایمانی جس سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے، منہ کے بل گر کے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ کہتے تھے۔ آج امتِ مسلمہ کو عمر رضی اللہ عنہ کی سی بہادری، صلاح الدّین ایوبی جیسی شجاعت کی ضرورت ہے۔

شاعر کہتا ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آج ہمیں اپنے افکار بدلنے کی ضرورت ہے۔ کفار نے ہمیں ایسے جال میں پھنسایا ہے کہ آج ہم اپنے ارادے اور مرضی کے بنا بھی ان کے مکروہ کاموں میں شریک ہیں۔ انھوں نے ہماری زبانوں کو دنیاوی ذائقوں کا لالچ دے کر ہم سے مال و زر جمع کر کے اس کے ذریعے ہمارے بھائیوں کا خون بہایا ہے۔ اس وقت ہمیں ان کی مصنوعات کو مکمل طور پر ترک کرنا ہے۔ اگر مسلمان متّحد ہو کر ان کی مصنوعات ترک کریں گے، سو یہ یہودیوں کی گردن میں طوق کی طرح ہو گا۔

اس وقت مظلوموں کی مدد ہم سب پر فرض ہے۔ اس کے لیے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی ہے، تاکہ کل قیامت کے دن ہمیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ذرا سوچیے! کل جب قیامت کے دن مظلومین خون میں لت پت اٹھیں گے تو کیا ہم ان کے سامنے نظریں اُٹھا سکیں گے؟ نہیں بالکل بھی نہیں!

اس ہی وجہ سے تمام امتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ اپنے بھائیوں کے لیے اور ان کے معصوم بچوں کے لیے دل کھول کر دعائیں کریں اور حسبِ استطاعت ان کی مالی امداد کریں، تاکہ یہ ہمارے لیے روزِ محشر گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی ویسی ہی مدد فرمائیں، جیسی اہلِ مکّہ کی، کی تھی، جس وقت ہاتھیوں کا لشکر ان پر چڑھ دوڑا تھا۔۔۔ اور یہودیوں کو نیست و نابود کر دے۔ (آمین)

ہیں، کیوں کہ انھی میں اللہ تعالیٰ کی بہتری ہے۔ اللہ ربُّ العزّت کی قدرت اور رحمت پر مکمل یقین رکھیں۔ اگر آپ کے حساب سے آج حالات اچھے نہیں ہیں تو کل اچھے حالات کی اُمید رکھیں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ اپنے آپ کو آزمائش میں سمجھیں تو سورۃ الضحیٰ ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور بار بار پڑھیں، خاص طور پر وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لیے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔ (الضحیٰ: 4)

(iv) یقین محکم: اپنی قوّتِ ارادی WILLPOWER مضبوط کریں۔ بے یقینی اور مایوسی کی کیفیت سے نکل آئیں، جو بات یا کام کریں پہلے اچھی طرح سوچ لیں اور اگر ضرورت ہو تو مشورہ بھی کر لیں اور پھر پورے یقین کے ساتھ کریں۔ دعا بھی مانگیں تو قبولیت کے یقین کے ساتھ مانگیں۔ پیارے نبی ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے:

”تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ غفلت بھرے دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔“ (سنن ترمذی) اسی لیے بعض اللہ والے اپنی دعاؤں میں اس قسم کے جملے بھی استعمال کرتے ہیں یا اللہ! اگر مجھے معاف نہیں کرتا، پھر بھی معاف فرما دے۔

یہ یقینِ محکم آپ کو مایوسی سے نکال لے گا اور اطمینان اور خوشی عطا کرے گا۔ دوسروں سے تو مسکرا کر ملتے ہی ہوں گے، کبھی کبھی بلکہ اکثر اکیلے میں بھی مسکرا لیا کریں۔ مسکراہٹ بھرا چہرہ آپ کو خوشی عطا کرے گا، موڈ بہتر کرے گا اور ہر کام آسان اور دل چسپ بنا دے گا۔ اس لیے کھل کر مسکرائیں اور مسکراتے رہیں۔

(v) سورۃ الرّحمٰن: اور آخری طریقہ یہ کہ روزانہ شام یا رات کو سورۃ الرّحمٰن سننے کا اہتمام فرمائیں۔ ہو سکے تو سب گھر والے ایک ہی کمرے میں بیٹھ جائیں۔ پُر سکون ہو کر پوری توجہ سے، الفاظ اور معانی پر غور کرتے ہوئے قاری عبد الباسط عبد الصمد مرحوم کی آواز میں سورۃ الرّحمٰن کی ریکارڈنگ سنیں اور اپنے دل، دماغ اور جسم میں اسے اُتارتے چلے جائیں۔ ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کے لیے بھی آزمودہ نسخہ ہے۔ یہ وہ پانچ طریقے ہیں جن سے لمحہ موجود میں آنا اور رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ لمحہ موجود میں جینے کا عمل ایک کرشماتی عمل ہے۔ اگر اس کیفیت میں ہم کمال حاصل کر لیں تو پہلے دو اصولوں یعنی نیکی کا کوئی موقع ضائع نہ کریں اور لوگوں کو معاف کر دیا کریں پر عمل کرنا بہت آسان ہو جائے گا، بلکہ اکثر اوقات ان پر خود بخود عمل بھی ہو جائے گا۔ یہ نکاتی لائحہ عمل جو کسی مہربان کی زندگی کا نچوڑ تھا، دراصل اچھی اور پُر سکون زندگی گزارنے کا ایسا سلیقہ ہے، جو تمام منفی خیالات کی نفی کر کے ہماری سوچ کو مثبت بناتا ہے اور ہمیں ہر وقت ہلکا پھلکا رکھتا ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاشرتی عدل و انصاف کا عملی نمونہ

حجاب سید

پس منظر

عدل و انصاف ہر صالح معاشرے کی بنیاد ہیں، جہاں عدل کمزور پڑ جائے، وہاں ظلم و فساد اور بدامنی فروغ پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں عدل و انصاف کا تصور نہ صرف نظریاتی سطح پر موجود ہے، بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی ہر پہلو میں نظر آتا ہے۔

اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

عدل و انصاف کا قرآنی حکم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل: 90)

بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

یہ حکم صرف قانونی ضابطہ نہیں بلکہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔

سیرتِ طیبہ میں عدل کی روشن مثالیں:

1۔ قریشی عورت کا مقدمہ:

قبیلہ مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی تو اب چوں کہ اس قبیلہ کا شمار عرب کے باعزّت قبائل سے تھا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "قریش کو اس مخزومی عورت کے معاملہ نے، جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا، فکر مند کر دیا تھا۔ وہ (آپس میں) کہنے لگے: اس عورت کے سلسلے میں کون رسول اللہ ﷺ سے بات کرے گا؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا اور کس کو اس کی جرأت ہو سکتی ہے؟ چناں چہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے (اس سلسلہ میں) گفتگو کی تو آپ نے فرمایا: "اسامہ! کیا تم اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے سلسلہ میں سفارش کرتے ہو؟" پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: "تم سے پہلے کے لوگوں کو بھی اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی معزّز آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کا کوئی کمزور و ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ یاد رکھو! اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

دوسری حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

"ایک عورت سامان مانگ کر لے جایا کرتی تھی اور واپسی کے وقت اس کا انکار کر دیا کرتی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔" (صحیح بخاری، 3475)

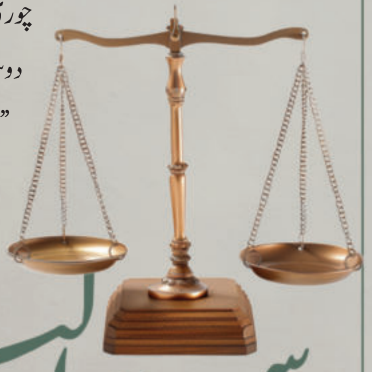

الطاف حسین حالی نے عدل کے بارے میں کیا خوب کہا

ہو عدل تو محکوم بھی حفاظت میں ہیں رہتے
ظالم کے لیے بھی نہیں ہوتی ہے خطا معاف

یہودی کے حق میں فیصلہ:

ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان مقدمہ ہوا۔ شواہد یہودی کے حق میں تھے تو آپ ﷺ نے بلاتعصب فیصلہ اس کے حق میں دیا۔ یہ عملی مثال ہے کہ انصاف مذہب یا قومیت سے بالاتر ہونا چاہیے۔

میثاقِ مدینہ:

مدینہ میں آپ ﷺ نے تمام قبائل اور مذاہب کے درمیان معاہدہ تحریر کیا، جس میں سب کو مساوی حقوق دیے گئے۔ یہ انسانی تاریخ کا پہلا باقاعدہ تحریری سوشل کنٹریکٹ تھا، جو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

1. عدل کی معاشرتی بنیادیں
2. قانون کے سامنے سب برابر
3. فیصلے تعلقات نہیں، شواہد پر
4. اقلیتوں کے ساتھ مساوی سلوک
5. انصاف میں تاخیر نہ کرنا

اقبال کا پیغام:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

عصرِ حاضر کے لیے پیغام:

آج معاشرے میں سفارش، طاقت کا غلط استعمال اور کرپشن عام ہے۔ عدل کو قائم کرنے کے لیے ہمیں گھریلو تعلقات سے لے کر ریاستی سطح تک، سیرت النبی ﷺ کو معیار بنانا ہوگا۔

سیرتِ محمدی میں عدل و انصاف کوئی عارضی اصول نہ تھا، بلکہ انسانی معاشرت کی اساس اور روح تھا۔ آپ ﷺ نے ریاست، معیشت، عدالت اور روزمرہ زندگی میں ایسا توازن قائم کیا کہ طاقت ور بھی کمزور کے برابر ٹھہرا اور کمزور بھی اپنے حق کے لیے خوف کے بجائے اعتماد سے کھڑا ہوا۔ آپ ﷺ کا عدل حدود و قیود سے ماورا، رنگ و نسل سے بالاتر اور ہر ذاتی مفاد سے پاک تھا۔ آج کے انتشار اور ناانصافی کے دور میں اگر انسانیت اس روشنی کو تھام لے تو ظلم کے اندھیرے چھٹ جائیں اور معاشرہ حقیقی امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

اور آج کی دنیا اگر اس عدل کو تھام لے تو ظلم کی رات چھٹ جائے اور انسانیت کو امن کی صبح نصیب ہو۔

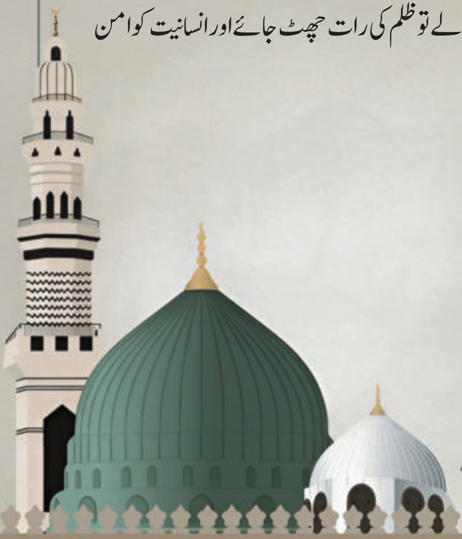

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A TRUSTED NAME IN JEWELLERY SINCE 1974

CAPTURES HEARTS AT FIRST GLANCE

ADORN YOURSELF WITH THIS GOLD STUNNER,
CRAFTED TO MAKE EVERY OCCASION UNFORGETTABLE.

03085888455 021 35835455, 35835488 S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

شہدا کی عظمت و فضائل

میمونہ عظیم

کچھ مسلمان اپنے چند خصائص و فضائل کی بنا پر اللہ کو محبوب ہوتے ہیں، ان میں سر فہرست وہ عباد اللہ ہیں جو اپنی جان و مال کی پرواہ کیے بغیر فقط اعلائے کلمتہ اللہ اور رب کی رضا مندی کی خاطر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر زندگی گزارتے ہیں۔ ایسے خوش نصیبوں کی زندگی بھی نظیرِ جنّت بن جاتی ہے اور جب انھیں فی سبیل اللہ یا ظلم کا نشانہ بنا کر شہید کیا جاتا ہے تو وہ ماجور تو ہوتے ہی ہیں، عند اللہ نامور اور اُبھرتے ہوئے مہتاب کی طرح ایک خاص اعزاز و خصوصیت کے حامل بھی ہوتے ہیں۔

تاریخ میں ملت و دین اور قومیت و سیاست کے تحت قربانی دینے والے وہ جھلملاتے ستارے بھی قابلِ ذکر ہیں کہ جن کے اسما سنہری حروف سے لکھے گئے اور انھی کی انتھک کوشش، جہد و جہد اور بے مثال قربانی کے باعث ہمیں دینی، قومی جغرافیائی حریت نصیب ہوئی۔

وطنِ عزیز کی آزادی ہمارے اکابر کی کئی قربانیوں اور شہدا کے پاکیزہ لہو سے حاصل ہوئی ہے اور یہ آزادی آزادانہ عبادت اور آزادانہ سوچ کے لیے حاصل کی گئی، یعنی آزادی کی تحریک میں عبادت کا بھی پہلو ہے، اس لیے شہادت ایسا غیر معمولی عمل ہے کہ جس پر جنّت جیسی عظیم نعمت کا وعدہ ہے۔

شہید کے فضائل: (قرآن کی روشنی میں)

شہدا کو عام مردوں سے جدا کر کے اور ان کے فضائل بیان کرتے ہوئے اللہ جلّ شانہٗ فرماتے ہیں: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (اٰلِ عمران: 169)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے۔“

آیت کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید مر جانے کے باوجود بھی عام مردوں سے فوقیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو ممتاز کرتے ہوئے ہمیں سمجھایا کہ شہید کی موت بقیہ مردوں جیسی نہیں۔

مفسّرین کی تفسیر کے مطابق بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کے جسم کو مٹی پر حرام کر دیا ہے، یعنی شہید کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔

مجرّب ہے کہ برسوں پہلے کے مدفون شدہ شہدا کی لاشیں قبروں سے برآمد ہونے کے باوجود بھی اتنی تروتازہ پائی گئیں کہ چہرہ اور جسم تو تروتازہ تھا ہی ساتھ کفن بھی میلا یا پھٹا ہوا نہیں پایا گیا۔

(لیکن بالفرض کہیں شہید کی لاش گل سڑ جائے تو اس کے پیچھے کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔)

فلسطینی شہدا کو ہی دیکھا جائے بوقتِ شہادت وہ ذو وجاہت، خوب صورت چہرے زخموں سے چور اور لہولہان ہو کر بھی مسکراہٹ، تروتازگی اور طمانیت کا تاثر دیتے ہیں۔

سب سے بڑی خوش نصیبی یہ کہ شہید حساب و کتاب سے بری ہو جاتا ہے اور بلا حساب و کتاب جنّت میں داخل ہونے والوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد (قرض کے علاوہ بقیہ حقوق) کی کوتاہیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں، بشرط یہ کہ فی سبیل اللہ رضائے الٰہی کے حصول میں شہید ہو جائے یا بغیر کسی جرم کے ظلم کا نشانہ بنا کر مارا جائے۔

معرکۂ حق و باطل میں دین کے لیے قربانی دینے والے رسول اللہ ﷺ کے وہ اصحاب تھے کہ جن کی اخلاصِ نیت کے باعث شہادت کی مقبولیت پیغمبر اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے معلوم ہوئیں۔

اسلام کے لیے جان قربان کرنے والے تاریخی نامور شہدا میں حضور اکرم ﷺ کے اپنے رشتے دار مثلاً، چچا حضرت حمزہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا نام سر فہرست آتا ہے۔ اسی طرح خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے سلفِ صالحین جو مقامِ شہادت پر فائز ہوئے، وہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔

شہید کے فضائل: (احادیث کی رو سے)

حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا۔۔۔الخ

”یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔“

تو انھوں نے کہا: ”ہم نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”شہدا کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ہوتی ہیں، جن کے لیے عرشِ الٰہی سے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، وہ جنّت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں اور پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتی ہیں۔“ یہ حدیث شہید کے فضائل کے بیان میں واضح ہے۔

اسی طرح جامع ترمذی میں روایت کیا گیا ہے: رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک شہید کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ وہ جنّت میں اپنے اہلِ خانہ کے لیے شفاعت کرے گا۔ (جامع ترمذی)

سبحان اللہ سبحان اللہ۔۔۔!

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت ایسی نعمت ہے، جس کا بدل کوئی اور عبادت ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ جب ایک مردِ مجاہد کفن پہن کر، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چل کر شہادت کی پٹی سر پر باندھ کر میدانِ جہاد میں کود پڑتا ہے اور یہ خدا کی امانت احسن طریقے سے رب کو لوٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اتنی بڑی اور قیمتی نعمتوں سے نوازتے ہیں، جن کو الفاظ میں محصور کرنا ممکن نہیں۔

ہم زندہ قوم تب ہی بنیں گے، جب اپنے اکابر کی قربانیاں یاد رکھیں اور اس مشن کو جاری رکھنے کی تگ و دو میں زندگی گزاریں، اس لیے اب ضروری ہے کہ۔۔۔

ہمیں بھی یہ شوقِ شہادت بیدار کرنا چاہیے، تاکہ ہم دنیوی و اخروی اعتبار سے سرخرو ہو کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کی خاطر شہادت نصیب فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

عالمی یومِ خوراک

بھوک اور غذائی قلت کے خلاف جدوجہد کا دعویٰ

کیا غزہ و فلسطین کے لیے بھی کوئی پیکج ہے؟

عذرا خالد

ہر سال 16 اکتوبر کو "عالمی یومِ خوراک" منایا جاتا ہے، تاکہ دنیا بھر میں خوراک کی اہمیت، صحت مند غذا اور بھوک جیسے مسائل کے بارے میں آگاہی فراہم کی جا سکے۔ یہ دن اقوامِ متحدہ کی خوراک اور زراعت کی تنظیم (FAO) کے قیام کی یاد میں منایا جاتا ہے، جو 1945ء میں قائم ہوئی تھی۔

اس سال 2025ء کا تھیم "بہتر خوراک اور بہتر مستقبل کے لیے ہاتھ میں ہاتھ" ہے۔ یہ تھیم FAO کی 80 ویں سالگرہ کے موقع پر رکھا گیا ہے اور اس کا مقصد بہتر پیداوار، بہتر غذائیت، بہتر ماحول، اور بہتر زندگی کے لیے عالمی تعاون کو اجاگر کرنا ہے۔ اس دن کو منانے کا بنیادی مقصد دنیا سے بھوک، غذائی قلّت اور غربت کو ختم کرنا اور ہر فرد تک صحت بخش خوراک کی رسائی کو ممکن بنانا ہے۔

پاکستان میں خوراک کا مسئلہ: پاکستان سمیت دنیا بھر میں خوراک کی پیداوار میں اضافہ اور بھوک کے خلاف جدوجہد کے لیے سیمینار اور تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود پاکستان میں خوراک سے متعلق صورتِ حال انتہائی تشویشناک ہے۔

عالمی ادارۂ صحت (WHO) کے مطابق، ناقص خوراک 200 سے زائد بیماریوں کی جڑ ہے۔ بد قسمتی سے، پاکستان میں ملاوٹ اور خوراک کے تحفّظ کے نظام میں کمزوری کی وجہ سے یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ سبزیوں اور پھلوں کو گندے پانی سے لگایا جا رہا ہے اور دالوں و مسالہ جات میں ملاوٹ عام رجحان ہے۔

گلوبل ہنگر انڈیکس کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی 22 فیصد آبادی غذائی قلّت کا شکار

ہے، جس کا مطلب ہے کہ لگ بھگ 4 کروڑ 40 لاکھ افراد کو خوراک کی کمی کا سامنا ہے۔ رپورٹ میں 118 ممالک کی فہرست میں پاکستان کا نمبر ۱۰۷ ہے، جو اس سنگین مسئلے کو ظاہر کرتا ہے۔

صوبۂ سندھ، خصوصاً تھر، اس مسئلے کی ایک افسوس ناک مثال ہے۔ خوراک کی کمی کے باعث رواں سال میں اب تک ۷۰۰ سے زائد اموات ہو چکی ہیں۔ ہزاروں حاملہ خواتین شدید غذائی قلّت کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچوں کا وزن بہت کم ہوتا ہے۔ طبّی ماہرین کا کہنا ہے کہ کم وزن والے بچوں کو بچانا مشکل ہوتا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے حاملہ ماؤں کو اچھی غذا فراہم کرنا ضروری ہے، لیکن بد قسمتی سے حکومت نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

خوراک کے ضیاع اور اس کا حل: ایک طرف دنیا میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں تو دوسری طرف ہر سال دنیا کی کل خوراک کا تقریباً 20% یا 1.3 بلین کلو گرام کھانا ضائع ہو جاتا ہے۔ اس ضیاع کو روکنا اور لوگوں کو بچا ہوا کھانا فراہم کرنا ایک اہم قدم ہے۔

خوراک کے ضیاع کو کم کرنے کے لیے کچھ آسان طریقے: موسمی خوراک کھائیں، موسم کے مطابق پھل اور سبزیاں کھائیں، یہ تازہ اور صحت بخش ہوتے ہیں۔

ضیاع سے بچیں: کھانا اتنا ہی لیں جتنا کھا سکیں اور بچا ہوا کھانا محفوظ کر کے بعد میں استعمال کریں۔

ملاوٹ کے خلاف آگاہی: معیاری اور خالص خوراک کی اہمیت کے بارے میں جانیں۔

عالمی یومِ خوراک کے موقع پر ہمیں اپنے اپنے حصے کا چراغ روشن کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے دائرۂ کار میں رہ کر خوراک کے ضیاع کو کم کرنا اور اپنے ارد گرد کے ضرورت مند افراد کا خیال رکھنا چاہیے۔ یاد رہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق، "وہ ہم میں سے نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔"

بھوک اور غذائی قلّت کے بڑھتے ہوئے مسئلے سے نمٹنے کے لیے WFP، UNHCP، FAO اور WHO جیسے عالمی ادارے مل کر کام کر رہے ہیں۔ ان اداروں نے عالمی برادری پر زور دیا ہے کہ وہ بچوں کو شدید غذائی قلّت سے شکار ہونے سے بچانے کے لیے فوری اقدامات کریں۔ یہ ادارے جنگ زدہ علاقوں جیسے افغانستان، ایتھوپیا، صومالیہ، جنوبی سوڈان اور یمن میں قحط کو روکنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر غذائی امداد فراہم کر رہے ہیں۔

یوکرین میں جاری جنگ جیسے عالمی مسائل بھی خوراک کی پیداوار اور فراہمی کو متاثر کر رہے ہیں، جس سے دنیا بھر میں بھوک کا مسئلہ مزید بڑھ رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم سب مل کر کام کریں، تاکہ اس مسئلے کو عالمی المیہ بننے سے روکا جا سکے۔ خوراک کے عالمی دن کا ایک اور مقصد کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی ہے، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار حاصل کر سکیں اور اسے محفوظ رکھنے کے بہتر طریقوں کو اپنائیں۔

غزہ کی حقیقی بھوک بے حسی اور بے غیرتی کی نذر: کاش! خوراک کے اس عالمی دن کے موقع پر غزہ و فلسطین میں بھی غذا و خوراک پہنچائی جا سکے، جہاں حقیقی بھوک ہے اور یہ بھوک کوئی قدرتی آفت نہیں بلکہ اس زمین پر خود کو خدا بن کر بیٹھنے والوں کے کیے دھرے سے ہے۔ کئی عالمی ادارے، زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین اپنی اپنی جگہ غزہ و فلسطین کے لیے بات کر چکے، اپیل کر چکے، لیکن ایک طرف ۵۰ سے زیادہ مسلمان ممالک میں اتنی ہمت اور غیرت نہیں کہ وہ اس غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے خلاف کام کر سکیں اور دوسری طرف عالمی یومِ خوراک بنانے والے زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں محض ریکارڈ کی درستی کے لیے اپیل کر دی جاتی ہے۔ امریکی صدر نے بھی دعویٰ کر دیا۔ غیر مسلم کئی ممالک نامی گرامی شخصیات اس بھوک کو حقیقی بھوک کہہ چکے ہیں۔ اس بھوک سے جان دینے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور ایسا نہیں کہ ان کے لیے کوئی غذا دینے والا نہیں، مسلمان عوام جی جان سے اپنی خوراک و غذا کا حصہ بھی دینے کو تیار ہیں، لیکن اے کاش! کچھ ایسے باہمت اور غیرت مند ہوتے۔۔۔ کاش! عالمی طاقتیں ایسی بے حس نہ ہوتیں جو محض اسلام اور جہاد کی ضد کی وجہ سے اس بھوک کا مداوا کرنے کو تیار نہیں۔

سیاست کس کا کام ہے؟

ایک چشم کشا تحریر

لائبہ عبدالستار

ہم نے بارہا سنا، آپ نے بھی سنا ہو گا: "سیاست مولوی کا کام نہیں ہے۔"

دو اشکالات ذہن میں آنا فطری ہیں۔

1۔ ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟

2۔ سیاست کس کا کام ہے؟

ماضی میں نہیں جاتے، اسمبلی و سینٹ ممبران کے عمومی طرزِ زندگی اور برتاؤ و رویّے کو سردست الگ رکھتے ہیں۔ کرپشن کے قصے، بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا معاملہ بھی نہیں چھیڑتے، بس موجودہ حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔

آیئے، آپ بھی غور فرمایئے!

ہر خاص و عام کو پتا ہے، ہمارا وطن سیلاب کی کس تباہ کن صورتِ حال سے گزر رہا ہے۔ سیلابی ریلوں نے بستیاں اُجاڑ دیں، کھیت کھلیان ڈوب گئے، مکانات مٹی کا ڈھیر بن گئے اور ہزاروں خاندان بے گھر ہو گئے۔ ماؤں کی آہیں اور بچوں کے رونے کی صدائیں دل کو دہلا دیتی ہیں۔

ان حالات میں دیکھیے وطن اور اہلِ وطن کے کام کون آ رہا ہے۔ ملک سے وفادار تلاش کیے جائیں، اہلِ وطن سے محبت کرنے والوں کو ڈھونڈا جائے تو پہلی نظر کیا، آخری نظر بھی علما پر ہی پڑتی ہے۔ چلیے ذرا ابو نیر چلتے ہیں۔ سب سے پہلی امدادی کاروائی کی ٹیم دیکھتے ہیں۔ وہ کسی حکومتی ادارے کے لوگ نہیں تھے، وہ لبرل اینڈ کمپنی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک مولوی کی ماتحتی میں چلنے والے، خود دار، وفادار، اسلام کے علم بردار طلبہ تھے۔

ان کا چست، چاق و چوبند اور محنتی ہونا، رات دن ایک کر دینا مغالطے میں ڈال دیتا ہے کہ انسان ہیں یا کوئی مشینی مخلوق کہیں کسی اور سیارے سے آئی مخلوق تو نہیں، جو کام حکومتیں مہینوں اور سالوں میں کرتی ہیں، ان کے ہاتھوں دنوں میں ہو رہا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے! گھر، گلی، کوچہ، بازار سے کیچڑ نکالنا ہو، سامان پوری حفاظت سے مالک تک پہنچانا ہو، ملبے تلے دبی لاشوں کو نکالنا ہو، شہدا کی نمازِ جنازہ پڑھنا ہو، تدفین کا انتظام، لواحقین کو دلاسا دینا ہو، کھانے پانی کی ضرورت ہو یا رہنے کو چھت سائبان کی۔۔۔ ہر ہر فرد کی دل و جان سے خدمت میں ایک مولوی، مولوی کی تربیت، مولوی کا دردِ دل، مولوی کی زندہ دلی اور وطن سے محبت نظر آئی۔۔۔

جب غور شروع ہی کر دیا تو تھوڑا اور آگے چلیے۔ سیاست قیادت میں، ایمان داری دیانت داری لازمی جزو ہوتی ہے۔ دوسروں کو خود پر فوقیت دینا پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔ یہ ایمان داری دیانت داری دوسروں سے محبت بھی ان سادہ قمیص شلوار میں ملبوس نوجوانوں میں نظر آئی، جنھوں نے زیورات و قیمتی اشیا ان کے ورثا کے حوالے کیں۔

چلیے یہ بھی غور کر لیتے ہیں کہ نظم و ضبط بھی سیاست کا خصوصی شعبہ ہے۔ بہت حیرت ہوتی ہے، نظم و ضبط میں بھی یہی درویش آگے نظر آتے ہیں۔ پگڑی و ٹوپی، لمبے کرتے، ٹخنوں سے اونچی شلوار، محبت محنت دیانت امانت خدمتِ خلق کا نشان نظر آئے گا۔

وہ کہتے ہیں نا، بات نکلے گی تو دور تک جائے گی، گو اس کا موقع نہیں، لیکن لگے ہاتھوں اس پر بھی غور کر لیتے ہیں۔ ذرا نظامِ تعلیم اور امتحانی نظم وفاق المدارس کا بھی دیکھیے اور اسکول و کالج کا بھی۔ فیصلہ غیر جانب دار اور تعصّب کے بغیر کیا جائے تو یہی درویش اور خدا ترس لوگ آگے نظر آئیں گے۔

غور کرنا چاہیے، ایک جگہ نقل و دھوکا دہی کیوں ہے؟ بے ایمانی و چوری نظام و مزاج کا حصہ کیوں ہے اور دوسری طرف یہ عیب نہیں ہیں، کوئی تو وجہ ہو گی نا؟ یقیناً اللہ سے قربت، محبت، تعلق، دین کی تعلیم میں جو جتنا کامل ہو گا، اس میں یہ سب خوبیاں زیادہ ہوں گی۔

وقت کی پابندی ہو یا خدا خوفی، الحمدللہ! مولوی ہی پہلی صف میں نظر آتے ہیں۔

کیا اب بھی یہ کہا جائے گا کہ سیاست مولوی کا کام نہیں؟ ارے بھئی! سیاست اُسی کا کام ہے، جس میں انسانیت ہو، ہمدردی ہو، خدا ترسی ہو، لالچ نہ ہو، علم ہی نہیں عمل بھی رکھتا ہو اور الحمدللہ یہ تمام عادات اور صفات مولوی میں ہی پائی جاتی ہیں۔

پتا یہی چلا کہ سیاست اصل میں تو کام ہی علما کا ہے۔ اصل سیاست وہی ہے جو مولوی کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق جاننے، حق پہچاننے، حق کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرمائیں۔

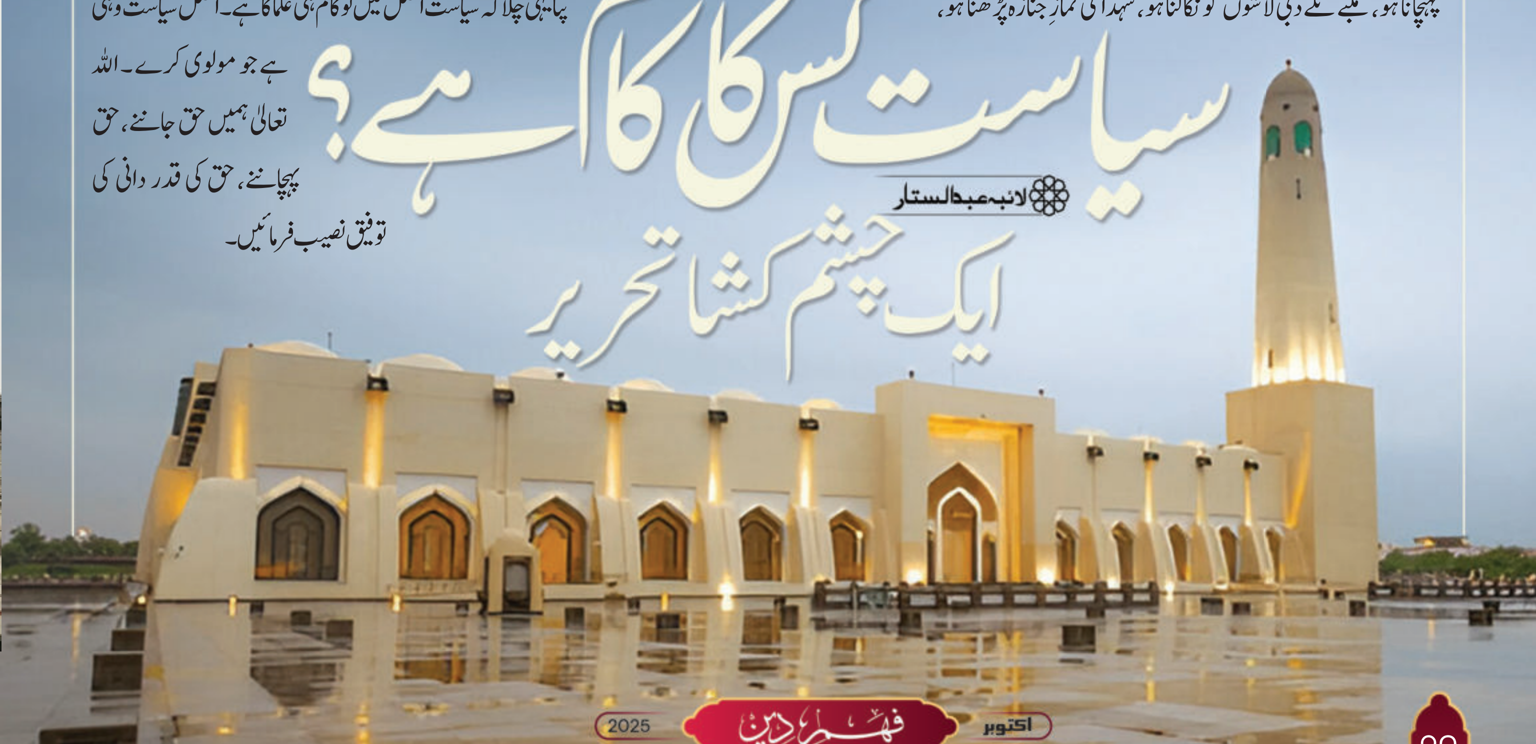

جب زمین کانپی تھی

حفصہ سلطان

8اکتوبر 2005ء کی قیامت خیز صبح، جس نے چند لمحوں میں ہزاروں خواب چکنا چور کر دیے تھے

اکتوبر کی خنک ہوا میں خزاں کا لمس واضح تھا۔ پہاڑوں کے دامن میں بسا ہوا وہ خطہ، جس کے ہر منظر میں فطرت کا حسن بکھرا ہوا تھا۔ اس دن بھی ہمیشہ کی طرح پُر سکون دِکھائی دے رہا تھا۔ بلند و بالا درخت اپنی شاخوں پر زرد پتوں کو تھامے کھڑے تھے، جیسے خزاں کی آخری یادیں سنبھال رہے ہوں۔ وادیوں میں بہتی ندیاں اپنی نرم مدھم آواز کے ساتھ دن کے آغاز کا استقبال کر رہی تھیں۔ یہ سب منظر اس بات کا اعلان کر رہے تھے کہ زندگی معمول کے مطابق رواں دواں ہے۔

مظفر آباد کی گلیوں میں ہلکی سی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ گھروں میں ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔ دودھ کے برتنوں کی خوشبو ہوا میں رَچ بس گئی تھی۔ بچے اسکول جانے کے لیے اپنی ماؤں کے ہاتھوں سے تیار کردہ بستے سنبھال رہے تھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کسان بیل گاڑیوں کو ہانکتے ہوئے نکل پڑے تھے۔ دکانوں کے شٹر اُٹھنے لگے تھے اور بازاروں میں ایک نئی صبح کا شور گونجنے لگا تھا۔

سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔۔۔ مگر صرف اگلے چند لمحوں تک۔

اچانک، صبح کی پُر سکون فضا کو ایک عجیب اور دہشت ناک آواز نے چیر ڈالا۔

پہلے تو کسی کو یقین نہ آیا، جیسے زمین کے اندر سے کوئی گرج اُٹھی ہو، پھر یہ گرج ہولناک جھٹکوں میں بدل گئی۔ زمین یوں کانپی کہ پہاڑ لرز اُٹھے۔ مضبوط عمارتیں لرزتے ہوئے کچے برتنوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ مسجدوں کے مینار لمحوں میں مٹی کے ڈھیر میں بدل گئے۔ اسکول کی عمارتیں زمین بوس ہو گئیں۔

یہ 8اکتوبر 2005ء کی وہ قیامت خیز صبح تھی، جس نے صرف چند لمحوں میں ہزاروں خوابوں کو چکنا چور کر دیا۔

فضا میں عجیب سا شور تھا۔ زمین کے اندر سے اُٹھنے والی خوفناک آواز، عمارتوں کے گرنے کا دھڑام اور سب سے بڑھ کر انسانوں کی چیخیں، لوگ گھروں سے بھاگتے ہوئے نکلے، مگر زمین کے جھٹکے انھیں سنبھلنے نہ دیتے۔ مائیں اپنے بچوں کو گود میں لیے دروازے کی طرف دوڑتیں، مگر دروازہ پہلے ہی زمین پر گر چکا ہوتا۔ مرد اپنی بوڑھی ماؤں کو سہارا دینے کی کوشش کرتے، مگر ان کے قدم زمین پر جم ہی نہ پاتے۔

کہیں کسی کے کانوں میں اپنے پیارے کی آخری صدا گونجتی، کہیں کوئی دَبے ہوئے جسم کو پکار رہا ہوتا۔ ملبے کے نیچے سے اُٹھتے ہاتھ، جن کے ساتھ زندگی کی اُمید بندھی ہوتی، کچھ دیر ہلتے اور پھر ساکت ہو جاتے۔

گاؤں گاؤں، محلے محلے قیامت کا منظر تھا۔ کوئی ایسی گلی نہ تھی، جہاں زخمی اپنے پیاروں کو آوازیں نہ دے رہے ہوں اور کوئی ایسا گھر نہ تھا جو موت کے سائے سے خالی ہو۔ زلزلے کا سب سے المناک منظر اسکولوں کی عمارتوں میں نظر آیا۔

وہ معصوم بچے، جو صبح ہنستے کھیلتے بستے لیے اسکول گئے تھے، لمحوں میں ملبے تلے دب گئے۔ بستے، تختیاں اور کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ کچھ ماؤں کے ہاتھوں میں اپنے بچوں کے جوتے رہ گئے، کچھ کو صرف کتابوں کا ایک وَرق ملا۔

یہ وہ منظر تھا جو دیکھنے والوں کی روح کو چیر کر رکھ دیتا۔

کتنے ہی والدین ملبے پر بیٹھے روتے ہوئے اپنے بچوں کو آواز دیتے رہے: ”بیٹا، جواب دو۔ ماں یہاں ہے!“ مگر جواب صرف سنّاٹا تھا۔ ایک ہولناک سنّاٹا جو آج تک اُن کانوں میں گونجتا ہے۔

جب دن ڈھلا تو سورج کی سُرخی ملبے پر ایسے لگ رہی تھی، جیسے خون کی ایک تہہ ہو۔

فضا میں چیخوں کی جگہ کراہنے اور سسکنے کی مدہم آوازیں گونج رہی تھیں۔ ہر طرف زخمی، لاشیں اور ٹوٹے ہوئے خواب بکھرے پڑے تھے۔ لوگ اپنے پیاروں کو ملبے سے نکالنے میں مصروف تھے، کسی کے ہاتھوں میں کٹے پھٹے جسم تھے، کسی کے آنسو آنکھوں سے خشک ہو چکے تھے۔

دنیا کے مختلف حصوں سے امدادی ٹیمیں پہنچنے لگیں، مگر تب تک کئی زندگیاں ملبے تلے خاموش ہو چکی تھیں، جو بچے زندہ بچے، وہ اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے تھے اور جو والدین زندہ بچے، وہ اپنی اولاد کو تلاش کر رہے تھے۔ ہر طرف سوالیہ نگاہیں اور مایوس سانسیں تھیں۔

وقت گزرتا گیا۔ نئے گھر بن گئے، گلیاں دوبارہ آباد ہو گئیں، مگر دلوں میں بسنے والے زخم کبھی بھر نہ سکے۔ آج بھی مظفر آباد، بالاکوٹ اور دیگر متاثرہ علاقوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کے لیے وہ دن صرف ایک تاریخ نہیں، بلکہ ایک زخم ہے جو کبھی نہیں بھرتا۔

وہ ماں جو آخری لمحے تک اپنے بیٹے کو جگاتی رہی، وہ باپ جس نے اپنی بیٹی کی چوٹی پکڑ کر ملبے سے نکالنے کی کوشش کی، وہ بہن جو بھائی کو آواز دیتی رہی، مگر جواب نہ ملا۔ یہ سب مناظر آج بھی اُن کی آنکھوں میں زندہ ہیں۔

اکتوبر کی ہر صبح انھیں اس دن کی یاد دلا دیتی ہے۔ جب خزاں کے زرد پتے ہوا میں بکھرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے، جیسے زمین ایک بار پھر اس سانحے کی گواہی دے رہی ہو۔

اکتوبر 2005ء کا زلزلہ ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ انسان کتنا بے بس ہے۔ زمین کے یہ پہاڑ، یہ دریا، یہ بستیاں لمحوں میں مٹ سکتی ہیں۔ زندگی کتنی ناپائیدار ہے اور انسان کو کب، کہاں اور کیسے آزمایا جائے گا؟ یہ صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

آج جب ہم مظفر آباد یا بالاکوٹ کے پہاڑوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں خاموشی سے یہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے وہ قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔

وہ چیخیں، وہ رونے کی آوازیں، وہ ٹوٹے ہوئے خواب سب اب بھی ان وادیوں میں گونجتے ہیں۔

یہ تحریر اُن سب کے نام ہے جو اس دن ہم سے بچھڑ گئے اور اُن کے بھی جو آج تک اپنی یادوں کے ملبے تلے جی رہے ہیں۔

اکتوبر کی ہر خنک ہوا میں ان کی آہیں شامل ہیں اور ہر خزاں کا پتّا ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زندگی کتنی نازک اور کتنا لمحاتی ہے۔

زمیں ہلی تو لرز اُٹھے خواب سبھی کہ زندگی ہے فقط سانسوں کی ڈوری

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹرا ساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی/پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

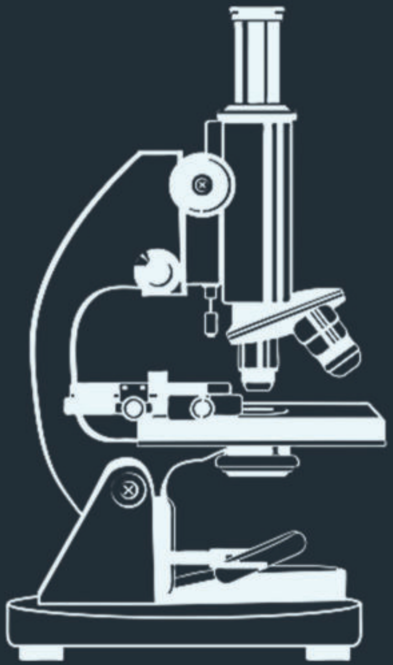

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

ملکۂ کوہسار کی شہزادی!

بادیہ جنید گابا

سال کے دوران سورج مشرق کے مختلف مقامات سے طلوع ہوتا ہے، مثلاً جون (گرمیوں) میں سورج شمال مشرق سے نکلتا ہے، دسمبر (سردیوں) میں جنوب مشرق سے اور باقی مہینوں میں درمیان کے زاویوں سے۔ بچپن کی سنی یہ بات صفورہ کے ذہن میں گونجی تو صفورہ سوچنے لگی کہ کوئی بھی وقت تو زندگی میں ایک سا نہیں، ہر حالت تبدیل ہو ہی جاتی ہے، جیسے آج تک ہوتی آئی ہے۔ کل کو وہ اباجی کی لاڈلی تھی اور آج وہ یہاں اس مقام پر ہے جو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ صفورہ پی سی بھوربن کے ریسٹورنٹ کے ریسیپشن پہ ہوا کرتی، کبھی ایک کھانے پہ آئی لڑکی نے کہا: ”آپ کھڑی کیوں ہیں، بیٹھ جائیں نا۔“

”ہمیں اِجازت نہیں ہے۔“

صفورہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ مسکرانا اور مسکراتے رہنا اس کی نوکری کا تقاضا تھا۔

”اور اگر طبیعت خراب ہو تو؟“

”تب بھی اِجازت نہیں ہے۔“ صفورہ بدستور مسکرائی۔

”آپ کو چھٹی عید پر ملتی ہے؟“

”نہیں، عید پر نہیں ملتی۔ عید پر تو آنے والوں کے رَش کی وجہ سے ڈیوٹی اور زیادہ ہوتی ہے۔ ہفتے میں جمعرات والے دِن چھٹی ہوتی ہے، میں گھر نہیں جاتی، یہیں پی سی میں ٹھہر جاتی ہوں۔“ صفورہ نے معمول بتایا۔

”گھر کہاں ہے آپ کا؟“ پوچھنے والی بھی سوال در سوال کیے جا رہی تھی۔

”میرا گھر اور گھر والے مری میں ہیں۔“

”اوہ! اچھا میں چلتی ہوں۔“

وہ چلی گئی اور اس کے پیچھے کھڑی کوئی بزرگ خاتون، غالباً نانی یا دادی ہوں گی، جو بے خبری میں صفورہ کی ساری گفتگو سن رہی تھیں، سر پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں: ”خوش رہو، پیاری بیٹی!“

”تھینکیو میم!“ جھٹ سے مسکراتے ہوئے تھینکیو بولنا صفورہ کی نوکری تھی۔

رات کو بستر پہ جا کر وہ عموماً لیٹتے ہی سو جاتی تھی۔ تھکن کی وجہ سے فوراً ہی گہری نیند آ جاتی اور خواب، وہ گہری نیند میں آتے ہی کہاں ہیں، مگر آج بستر پہ لیٹتے ہی نجانے کیوں فوراً ان بزرگ خاتون کا جملہ دماغ میں گونجا، ”پیاری بیٹی!!“

”ہاں، میں وہ پیاری بیٹی ہوں جو بیٹا بن کے نبھا رہی ہوں۔“

اور پھر خود سے یہ کہتے ہوئے صفورہ شوکت کئی سال پہلے مری کے آبائی گھر کی یادوں میں چلی گئی۔

مری کا یہ گھر دو بھائیوں کے گھرانوں اور ایک اُن کی والدہ پر مشتمل تھا۔ قسمت کا لکھا اتّفاق کہ دونوں بھائیوں شوکت اور غلام محمّد کے ہاں ایک ایک بیٹی تھی۔ دونوں کی والدہ یعنی صفورہ اور سفینہ کی دادی ایک نیک، کم گو اور سلجھی ہوئی خاتون تھیں، البتہ دونوں بہوؤں کے دل ایک دوسرے سے کھِنچے رہتے تھے۔ صفورہ کو بچپن کی بہت سی یادوں میں یاد آیا کہ وہ اور سفینہ کس طرح رات رات بھر گڑیا بناتیں، ایک دوسرے کا سنگھار کرتیں اور مل کر برف کے گولے بناتیں، دادی شالوں پہ دست کاری کرتیں تو ایک ایک ٹانکہ سفینہ اور صفورہ بھی لگاتیں، پھر قسمت کا لکھا یوں بدلا کہ صفورہ کی ماں کے ہاں بیٹے کی ولادت ہو گئی۔ خوب خوشیاں منائیں گئیں اور اماں نے اپنی پسند سے بیٹے کا نام شان رکھ دیا۔ یوں شان شوکت گھر بھر کا لاڈلا تھا، مگر شان شوکت کی پیدائش کے بعد اماں کا مزاج کافی بدل گیا۔ وہ چچی کی باتوں پر بہت بُرا منانے لگیں، صفورہ کو یاد ہے کب سفینہ اور صفورہ کی معمولی سے لڑائی پر اماں چچی پر بہت بگڑ گئیں اور ہمیشہ کی طرح بچوں کی لڑائیوں میں جب بڑے بولنے لگ جائیں تو بچوں میں بھی دوریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ رات گئے تک کھیلنے والی صفورہ اور سفینہ اپنے کمروں تک محدود ہو گئیں اور یوں دونوں ہی اکیلی ہو گئیں۔

پھر چچی کی کسی بات پر بُرا مان کر اماں نے ابا کو دکان فون کر دیا۔ ابا رات گئے گھر آئے تو گھر والے کسی ہنگامے کے منتظر تھے، مگر ابا کہنے لگے: ”صفورہ کی ماں! گھر کے مرد تم عورتوں کی گھریلو سیاستوں میں بولتے بھلے نہیں لگتے، مرد مردانگی میں اچھے لگتے ہیں۔ یہ گھریلو لڑائیاں تم عورتوں کو مبارک! ہم اس ملکہ کوہسار (مری) کے بہادر مرد ہیں، جن کے دل بھی بڑے ہیں، ظرف بھی بڑے ہیں اور ہمارے بڑوں نے ہماری یہی تربیت کی ہے۔“ اماں خاموش ہو گئیں۔

اور آج اماں شان شوکت کے آگے بھی خاموش ہو جاتی ہیں۔

دادی کا انتقال ہو گیا۔ چچا مال روڈ میں دکان کھول کر کسی دوسرے گھر رہنے لگے۔ سفینہ کی شادی ہو گئی اور ابا کا بھی انتقال ہو گیا۔ اماں کی بوڑھی ہڈّیوں میں طاقت کم ہو گئی۔ گھر کا خرچہ چلانے کے لیے صفورہ کو باہر نکلنا پڑا، اس آس میں کہ شان شوکت بڑا ہوگا تو ذمہ داریاں کم ہو جائیں گی، مگر شان شوکت وہ خود کو ملکہ کوہسار کا شہزادہ سمجھتے ہوئے ہمہ وقت بستر پر موبائل کے ساتھ براجمان رہتا، جس بیٹے پر اماں کو ناز تھا، سب دھرا کا دھرا رہ گیا اور اماں بوڑھی ہڈیوں کے ساتھ گھر کا سودا سلف بھی خود لاتی ہیں اور باقی ذمہ داریاں بھی ادا کرتی ہیں، کیوں کہ کوئی ذمہ داری کبھی اس پر ڈالی ہی نہیں گئی۔ یہ کیسے نوجوان ہیں، جنہیں کل کو اپنے گھرانوں کا قوام بننا ہے، بڑے بڑے فیصلے کرنے ہیں، ابا تو ایسے نہیں تھے، وہ تو ایک بہادر سمجھ دار مرد تھے، شان نجانے کس پر چلا گیا تھا۔

دو دن بعد صفورہ کو نجانے کیوں بخار ہو گیا۔ تمام کوششوں کے باوجود بخار اُترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مینجمنٹ نے انھیں گھر جانے کا کہا اور اس کے لیے سواری بھی مہیا کی۔ صفورہ کی طبیعت دیکھ کر اماں بھی پریشان ہو گئیں، کہیں نا کہیں ذہن کے کونے میں خدشہ تھا کہ ہوٹل والے نوکری سے نہ نکال دیں اور شان، ”آگ لگے بستی میں، شان اپنی مستی میں!“ کے مصداق تھے۔

بقیہ صفحہ 25 پر

نورِ ہدایت

نادیہ عنبر لودھی

پہلی قسط

اس نے تل ابیب "بن گوریون" ایئر پورٹ سے باہر قدم رکھا تو بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بارش نے موسم خوش گوار کر دیا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور کو اپنے فون پر لوکیشن پن دِکھائی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ گئی تھی۔ یہ کثیر منزلہ عمارت تھی، اس کا مطلوبہ اپارٹمنٹ گراؤنڈ فلور پر تھا۔ اسے نمبر زبانی یاد تھا، چابی اس کے پاس تھی، اس نے چابی لاک میں گھمائی اور اندر داخل ہو گئی۔ فرنشڈ اپارٹمنٹ صاف ستھرا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر آرام کیا، پھر اشیائے خورد نوش کی خریداری کے لیے قریبی مارکیٹ کا رُخ کیا۔ مقامی کرنسی اس کے پاس تھی، وہ مانچسٹر کے پوش ایریا "ریڈیش" میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے والدین کٹر یہودی تھے۔ ان کا خاندان دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ میں سیٹل ہوا تھا۔ اس نے جرنلزم میں ڈگری لی تھی۔ وہ غزہ کی موجودہ صورتِ حال پر رپورٹنگ سے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز کرنا چاہتی تھی، اسی لیے اس نے اسرائیل کا رُخ کیا تھا۔ وہ اس وقت "جوڈیا سماریا" نامی شہر میں ٹھہری ہوئی تھی۔ صبح اس کا ارادہ غزہ کے شہر دیر البلح جانے کا تھا۔ اپارٹمنٹ کی بکنگ اس نے ٹریول ایجنٹ کے ذریعے کروائی تھی۔ ایئر پورٹ پر اسے چابی دی گئی تھی۔ اس کے والدین نے بچپن سے اس کے دماغ میں مسلمانوں سے نفرت بھری تھی، وہ یہودیوں کی مقدّس زمین کی محبت میں غزہ آئی تھی۔ اس نے خریداری کر کے آرام کیا اور اپنے لیے کھانا بنایا تو اسی دوران اس کی والدہ کا فون آ گیا۔ اس کی والدہ نے اس کا حال چال پوچھا اور اسے دیوارِ گریہ پر حاضری کی یاد دہانی کروائی۔ اس نے کھانا کھایا اور سو گئی۔ صبح بے داری کے بعد اس نے ناشتہ کیا، ایک سینڈوچ بنا کر "ٹوٹ بیگ" میں رکھا، ضروری سامان ساتھ رکھا اور غزہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ سڑک سے اس نے ٹیکسی پکڑی اور ڈرائیور کو دیر البلح چلنے کا کہا۔ ایک گھنٹے بعد وہ منزل پر پہنچ گئے۔ چیک پوسٹ پر اس کے کاغذات، ویزے اور پاسپورٹ کی چیکنگ ہوئی اور اس کا کیمرہ اور سیل فون یہ کہہ کر رکھ لیا گیا کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس نے بیگ کندھے پر ڈالا اور آگے بڑھ گئی۔ سڑک کے اِرد گرد موجود عمارتیں جلی ہوئی تھیں۔ کچھ ملبے کا ڈھیر تھیں۔ سامان بکھرا پڑا تھا۔ سڑک کے کنارے اسے دو کم زور سے بچے نظر آئے۔ اس نے بچوں سے انگریزی میں بات کی، وہ انگریزی سے نابلد تھے۔ اس نے ان سے عبرانی میں بات کی وہ عبرانی جانتے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا: "اسکول جاتے ہو؟"

"نہیں اسکول بمباری سے تباہ ہو گیا۔"

"کھانا کھایا ہے؟"

"نہیں، ہماری امی مر گئی ہے۔ ہمیں کون کھانا دے گا؟" بچے نے جواب دیا۔

اس نے بیگ سے سینڈوچ نکالا اور دونوں بچوں کو آدھا آدھا کر کے دے دیا۔ وہ سینڈوچ پر ٹوٹ پڑے۔ پتا نہیں کب سے بھوکے ہیں، سلویا نے سوچا۔ وہ بچوں کو چھوڑ کے آگے بڑھی اور سڑک پر چلنے لگی، ہر طرف تباہی کے مناظر تھے۔ دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی اور تباہی تھی۔ اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا، یوں لگ رہا تھا کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ چلتے چلتے اسے ایک خالی میدان دِکھائی دیا، بچوں کے کھیلنے کا گراؤنڈ ہے شاید! وہ سڑک سے اتر کے گراؤنڈ میں چلی گئی اور ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے سر گھما کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تو اس کی نظر ایک بوڑھے آدمی پر پڑی۔ "یہ کون ہے؟" اس نے سوچا اور اُٹھ کر بوڑھے کی سمت بڑھی۔ اس نے اس کو ہائے کہا، جواب میں بزرگ آدمی نے بھی ہائے کہا، وہ آدمی انگریزی جانتا تھا۔ سلویا اس سے سوالات کرنے لگی: "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"اس مکان کے تہ خانے میں" بزرگ آدمی نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ سب غیر آباد کیوں ہے؟" "غیر آباد نہیں ہے، تباہ شدہ ہے۔" آدمی بولا۔

"آپ کیا کھاتے ہیں، یہاں تو کچھ نہیں ہے؟" "اللہ مالک ہے، میرا رب بندوبست کر دیتا ہے، گزارہ ہو جاتا ہے۔" "اور آپ کا خاندان؟" سلویا نے پوچھا "سب جنّت میں چلے گئے، وہاں وہ سب میرے منتظر ہیں۔"

"آپ کی مسلمان ممالک مدد کیوں نہیں کرتے؟" سلویا نے سوال کیا۔ "ان کو تعیشات پسند ہیں، انھوں نے جنّت کے بدلے یہ دنیا خرید لی ہے۔" "اور آپ نے؟" "ہم نے دنیا دے کے جنّت لے لی ہے۔" بزرگ نے کہا۔

"تو آپ کا خدا آپ کی مدد کیوں نہیں کرتا، آپ کی فریاد کیوں نہیں سنتا؟"

"ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ وہ آزمائش دے کر شہادت کی موت عطا کر کے ہمارے درجات بلند کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ خیر اور شر کی جنگ میں کون کس کے ساتھ ہے۔"

"میں نے سنا ہے، مسلمان بہت بُرے لوگ ہوتے ہیں؟ آپ تو اتنے بُرے نہیں ہیں۔" سلویا کی بات سُن کر بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی "اللہ حافظ بیٹی!" یہ کہہ کر وہ اپنے تباہ شدہ مکان کی سمت چلا گیا۔ سلویا نے واپسی کا ارادہ کیا۔ راستے پر بچے اب نہیں تھے، ان کی جگہ خالی تھی۔ سلویا نے چیک پوسٹ سے کیمرہ اور موبائل لیا اور کرائے کے اپارٹمنٹ میں واپس آ گئی۔ یہاں آ کر اس کی عجیب سی کیفیت ہو گئی، وہ صوفے پر ڈھے سی گئی، اسے بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا سینڈوچ بھی بچوں کو دے دیا تھا، لیکن بچوں کے مدقوق چہرے آنکھوں کے سامنے گردش کر رہے تھے۔ اس کا کھانا کھانے سے جی اچاٹ ہو گیا۔ بزرگ کی باتوں نے بھی کئی سوالات اُٹھا دیے تھے۔ "مسلم ممالک پاور فل ہیں، پھر بھی ان کی مدد نہیں کرتے

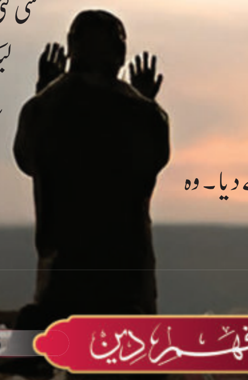

کیوں؟ ماما ٹھیک کہتی ہیں، یہ مسلمان عجیب ہی ہوتے ہیں۔" اس نے سوچا وہ سوچتے سوچتے وہیں سو گئی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا۔ وہ کچن میں گئی۔ ناشتہ بنایا اور کھایا اور پھر سینڈوچ بنانے لگی، اس کے بیگ میں جتنی جگہ تھی اس نے اتنا کھانا بھر لیا۔ سینڈوچ، بسکٹ، دودھ کے پیکٹ! وہ اپارٹمنٹ سے نکلی، ٹیکسی لی اور غزہ جا پہنچی۔ اسے آج راستے میں کوئی انسان نہیں ملا۔ اس نے سوچا بزرگ کو یہ کھانا دے دوں۔ وہ اس کے گھر کی سمت گئی اور بیل بجائی، گیٹ بجایا کوئی باہر نہیں آیا۔ اس نے سوچا تہ خانے کا راستہ ڈھونڈتی ہوں۔ گھر کی باونڈری کے اندر گھومتے پھرتے اسے پچھلے صحن میں ایک جگہ مرغیوں کا ڈربہ نظر آیا۔ کچھ سبزیاں بھی زمین میں اُگی ہوئی تھیں، اسے بیسمنٹ کی سیڑھیاں نظر آئی، وہ نیچے اتر گئی۔ ایک کشادہ کمرہ تھا، جس میں فرش پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک میز پر لکھنے پڑھنے کا سامان رکھا تھا۔ قرآنِ پاک اور تسبیح بھی وہی موجود تھی۔ اس نے قرآن اٹھایا اور کھول کر پڑھنے کی کوشش کی، جو الفاظ اسے سمجھ آئے ان کا مطلب تو بہت اچھا تھا، پھر۔۔۔ وہ اُلجھ کر رہ گئی۔ اس نے اسی میز پر کھانا رکھا اور وہاں سے نکل آئی۔ چند مکان آگے جا کر اس نے ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے ایک عورت کی جھلک دیکھی۔ اس کی جونہی نظر پڑی، وہ عورت چھپ گئی۔ اس عورت سے ملنے وہ اندر کمرے کی طرف بڑھی، جونہی عورت نے اسے دیکھا فوراً بازو پیچھے کر لیا۔ اس نے قریب جا کر دیکھا تو عورت کا بازو کہنی کے اوپر سے کٹا ہوا تھا اور زخم علاج نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہو چکا تھا، اس میں کیڑے پڑ چکے تھے، وہ شدید تکلیف میں تھی۔ گینگرین تیزی سے پھیل رہا تھا۔

"میرے ساتھ ہسپتال چلو!" اس نے عبرانی میں کہا: "نہیں، یہاں کوئی ہسپتال نہیں ہے، تم جاؤ! میں ٹھیک ہوں۔" "نہیں، میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی، تم مر جاؤ گی۔" سلویا اسے کھینچ کر باہر لے آئی اور اسے سمجھاتی ہوئی چیک پوسٹ تک لے آئی۔ "اس کا زخم خراب ہو گیا ہے، اسے میرے ساتھ ہسپتال جانے دو۔" سلویا نے ڈیوٹی پر تعینات اہلکار سے کہا۔ "اس کی اجازت نہیں ہے، یہ نہیں جا سکتی۔" اس نے جواب دیا جب کہ دوسرے اہلکار نے اجازت دے دی۔ "اسے لے جاؤ۔" وہ سلویا سے مخاطب ہوا۔ سلویا اسے لے کر ٹیکسی میں بیٹھی اور ٹیکسی کو ہسپتال چلنے کا کہا۔ اسپتال میں جا کر اس نے علاج کے لیے اسٹاف سے رابطہ کیا۔ "ہم اس کا علاج نہیں کر سکتے، یہ یہودی شہری نہیں ہے۔ یہ اسپتال صرف اسرائیلیوں کے لیے ہے۔" کورا جواب سن کر سلویا حیران رہ گئی۔ "یہ مر جائے گی" سلویا نے کہا، مگر اس کی بات کسی نے نہیں سنی۔ "سوری! آپ جا سکتی ہیں، ہم آپ کی مدد نہیں کر سکتے۔"

(جاری ہے)

بقیہ

ملکہ کوہسار کی شہزادی!

"شان! تم ہر وقت کیوں بیٹھے رہتے ہو؟ ہم پہاڑی علاقے کے رہنے والے تو بہت جفاکش ہوتے ہیں۔"

صفورہ بخار میں ہمت کر کے بول رہی تھی۔ شان صرف "ہوں" کہہ کر رہ گیا۔

"تم نے افلاطون کا نام سنا ہے؟" شان کو اپنی دنیا میں مداخلت ناگوار گزر رہی تھی۔

"شان! افلاطون کہتا تھا: ریاستیں شاہ بلوط کی لکڑی سے نہیں بنتیں، ریاستیں کردار سے بنتی ہیں۔" شان نے برا سا منہ بنایا۔

"شان! تم نے غزہ کے لڑکوں کو دیکھا ہے؟ وہ اکیلے بڑے بڑے ٹینکوں کو پتھر مارتے ہیں۔ وہ شہید ہوتا دیکھتے ہیں، مگر پھر بھی اپنے حق کے لیے لڑتے ہیں۔ ان کی زندگی میں مقصد ہے۔ شان! ہمیں ان سے کتنا کچھ سیکھنا چاہیے۔"

"جی آپا!" شان نے بس اتنا ہی کہا اور چل دیا۔

صفورہ کی طبیعت گزرتے وقت کے ساتھ مزید خراب ہو رہی تھی۔ اماں کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ اماں نے چچا کو بُلا لیا اور چچا دوا علاج کا انتظام کرنے لگے، مگر طبیعت سنبھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور یہ وہ موقع تھا، جب شان شوکت بھی سب کچھ چھوڑ کر بہن کے لیے فکرمند تھا۔

رات گئے اماں اور صفورہ سو گئے۔ صفورہ کی آنکھ کھلی تو شان ہلکی روشنی میں صفورہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"بھائی!" صفورہ مسکرا رہی تھی۔

"کچھ چاہیے آپا؟ پانی دوں؟" یہ زندگی میں پہلا موقع تھا، جب صفورہ نے شان کو بھائی کہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے نا!" صفورہ نے لڑکھتی آواز سے پوچھا۔

"تم ابا جیسے بن جاؤ نا!"

"میں کیا کروں آپا؟" شان، بہن کے لیے فکرمند تھا۔

"تم چچا کے پاس مال روڈ چلے جاؤ، ان کا ہاتھ بٹاؤ، اُن کو بیٹے کی اور تمہیں ابا کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔"

"تمہیں ابا بہت یاد آتے ہیں نا، تم بہت لاڈلی تھی نا اُن کی۔" شان کی آنکھیں بھیگی ہوئیں تھیں۔

"جن لڑکیوں کے بھائی اچھے ہوں، ان کے باپ کبھی نہیں مرتے شان! میرا بھائی بہت اچھا ہے۔" یہ کہہ کر صفورہ نے آنکھیں بند کیں، گویا اب بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

تقریباً فجر سے پہلے اماں کی آنکھ کھلی، صفورہ ہوش میں نہیں تھی۔ اماں نے سانس چیک کی، مگر وہ بند ہو چکی تھی۔ اماں نے چچا کو بُلایا۔ گھر میں کہرام مچ گیا، صفورہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی۔ اماں کے لیے یہ غم سہنا مشکل تھا، لہٰذا جوانی کے تمام اختلافات بھلا کر اماں، چچا چچی کے گھر منتقل ہو گئیں اور صفورہ نے بہن ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے شان شوکت کو جاتے جاتے ایک نئی راہ دِکھا دی۔ بیٹیاں عظیم ہوتی ہیں، جو اندھیروں میں بھی چراغ جلانے کی کوشش کرتی ہیں اور اپنے خلوص کی وجہ سے کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔ اللہ سب کی اولادوں کو نیک اور سمجھدار بنائے۔ آمین!!

عالمی ادارہ
بیت السلام
ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+
یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

انیسہ عائشہ کی تحریر کردہ اس کہانی کو عنوان دیجیے۔ منتخب عنوان پر فہم دین 300 روپے انعام دے گا، عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 اکتوبر ہے۔

بلاعنوان

انیسہ عائشہ

اندھیرے میں ٹھوکر لگنے سے وہ بمشکل گرتے گرتے بچے۔ انھوں نے تأسف سے سامنے والے گھر کی طرف دیکھا جیسے گھر کے مکین سامنے کھڑے ہوں اور نفی میں گردن ہلاتے آگے بڑھ گئے۔

◆◆◆

حال ہی میں بلال صاحب کا ٹرانسفر اس چھوٹے سے شہر میں ہوا تھا۔ بروقت رہائش گاہ ڈھونڈنے پر انھیں عزیز ٹاؤن میں گھر ملا تھا۔ وہ اس لیے رضامند ہوگئے کہ بہتر صورت میں یہ گھر مناسب کرائے پر مل گیا تھا، اگرچہ یہ ٹاؤن شہر سے ہٹ کر اور قدرے پسماندہ علاقے میں آجاتا تھا۔ شروع میں ان کا ارادہ یہاں عارضی طور پر رہائش کا تھا، مگر مالک مکان ان کے دوست نکلے سو دلی اطمینان کی وجہ سے یہ قیام طویل ہوگیا۔ باقی سب تو ٹھیک تھا، مگر ان کے گھر کی سمت جانے والی گلی کے آغاز پر رستہ اونچا نیچا تھا اور یہاں پانی بھی کھڑا رہتا تھا۔ دن کے وقت پھر بھی گزارا ہو جاتا تھا، مگر رات کو یہاں سے گزرنے والے راہ گیروں کو مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ بجلی کے بڑھتے ہوئے بلوں کی وجہ سے کوئی اپنے گھر کے آگے لائٹیں جلانے کا روادار نہ تھا۔ سب سے پہلا گھر احمد صاحب کا تھا اور ان کے مالی حالات بھی بہتر تھے، سو انھوں نے احمد صاحب سے اس معاملے میں بات بھی کی کہ وہ گزرنے والے مسافروں کے خیال سے گھر کے سامنے کی بتیاں روشن کر دیا کریں، مگر اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا تھا۔ گزرنے والے اپنی مدد آپ کے تحت موبائل کی ٹارچ کی مدد سے یا موٹر سائیکلوں والے اپنی لائیٹ کی مدد سے یہ رستہ عبور کرتے۔ آگے بقیہ رستہ صاف تھا، مگر بلال صاحب کو یہاں سے گزرتے ہوئے روز بدمزگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ پوری گلی میں بلال صاحب کا گھر وہ واحد گھرانہ تھا، جہاں سر شام ہی گھر کے باہر کی بتیاں روشن کر دی جاتیں۔ اوّل تو بلال صاحب اس بات کا خود ہی اہتمام کرتے، ورنہ اپنی بیگم اور بیٹی کو خاص تاکید کر رکھی تھی کہ شام ہوتے ہی لائٹیں جلا دی جائیں۔ ان کے بائیں جانب رضوان صاحب عرف کالی کا گھر تھا، جنھوں نے لائٹیں لگوائی تو ہوئی تھیں، مگر کبھی جلانے کی نوبت درپیش نہیں آئی تھی۔ ان کا گھر چوک میں آتا تھا کہ عین سامنے سے چاروں جانب گلیاں مڑتی تھیں۔ بلال صاحب کو خیال گزرتا کہ اگر یہ لائیٹ جلا دیں تو ان کی روشنی بہت سے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرے گی، مگر وہ ان کے گھر اور مکینوں کی حالت دیکھ کر خاموش رہ جاتے۔ پوری گلی میں ان کے گھر کے در و دیوار سے غربت ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ قدیم طرز کا گارے اور اینٹوں سے بنا ہوا گھر بہت پرانے زمانے کا معلوم ہوتا تھا۔ ایک آدھ بار بلال صاحب نے ان سے بات بھی کی، مگر انھوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

البتہ اس بات کا دھیان ضرور رہتا کہ کبھی لائٹیں جلانے میں دیر سویر ہو جاتی تو دروازہ بجا کر یاد دہانی کرانا نہ بھولتے تھے۔ نور العین بے ساختہ کہہ اٹھتی: ”امی، کتنے چالاک ہیں یہ کالی انکل! خود اپنی لائٹیں آن نہیں کرتے اور ہمارا دروازہ بجا بجا کر کہہ جاتے ہیں۔“ اس کی بات سن کر امی مسکرا دیتیں۔ ”کوئی بات نہیں بیٹا! بے چارے غریب لوگ ہیں، بجلی کی بچت کرتے ہیں، مجھے تو اس بات کی حیرانی ہے کہ چھوٹے سے گھر میں تین فیملیاں کیسے رہتی ہوں گی۔“ اور نور العین خاموش رہ جاتی۔ بابا تو بابا، امی بھی سارے جہاں کا درد دل میں سموئے ہوئے ہیں۔

◆◆◆

رضوان عرف کالی کے گھر میں تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا۔ بلال صاحب نے اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ سب سے پرانا انہی کا گھر تھا۔ گھر کی بنیادیں مضبوط رکھی گئیں اور ابتدائی ڈھانچا تعمیر کر دیا گیا۔ اس دوران نور العین نے ایک عجیب سی بات نوٹ کی۔ زیرِ تعمیر گھر کے ایک طرف سیاہ جوتا رَسی سے باندھ کر لٹکا دیا گیا تھا۔ شام کو ان کے گھر سے بچی برف لینے آئی تو اس نے کزن سے اس کے بارے میں پوچھا، کزن بولی: ”آپی یہ اس لیے لگایا کہ نظر نہ لگ جائے۔“ ”ہائیں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی امی؟“ نور نے امی کی طرف دیکھا۔ ”بس بیٹا! لاعلمی کی وجہ سے کچھ لوگ اب بھی من گھڑت باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور یہ لوگ تو بہت مدّت کے بعد بہت چاہ سے گھر بنا رہے ہیں، اس لیے بھی پریشان سے ہیں۔“ ”خیر! چند دن بعد سیاہ جوتے کی جگہ گھر کے چاروں طرف ماشاءاللہ کے بینر لگوا دیے گئے۔ شام کی چائے پر بات کرتے ہوئے اس نے ابو سے سنا۔“ ایک اچھا کام کر رہے ہیں کہ بہت پلاننگ سے نقشے کے مطابق گھر بنا رہے ہیں۔“ ”اچھی بات ہے ایک بار تھوڑا زیادہ خرچ کر بھی لیا جائے تو بہتر ہے، مڈل کلاس میں گھر کون سے روز روز بنائے جاتے ہیں۔“ یہ امی جان کی آواز تھی۔ گھر کی تعمیر کے دوران ریت مٹی، سیمنٹ بجری۔۔۔ بلال صاحب کے گھر کے آگے ڈھیر ہوتا رہا۔ گزرنے میں بہت تنگی رہی اور تو اور تعمیراتی کاموں اور مشینری کا شور سب کو برداشت کرنا پڑا۔ سب سے زیادہ نور العین بے آرام ہوئی تھی کہ وہ اس شور کی کبھی عادی نہیں رہی تھی۔ وہ ہر روز چھت پر آکر جائزہ لیتی اور اندازے لگاتی کہ یہ کام کب ختم ہوگا۔ آخر کار جلد ہی گھر کی تعمیر مکمل ہوگئی اور اس کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ تین منزلہ پُر شکوہ سی عمارت سب کے سامنے آ کھڑی تھی۔ کہاں وہ خستہ حال نیچا سا ایک منزلہ کچا گھر اور کہاں یہ جدید طرز کا خوب صورت پتھر، سیلنگ اور پینٹ ہوا گھر۔ نئے گھر کی تعمیر ہوتے ہی کالی صاحب نے اپنی بیٹی کی منگنی کی تقریب رکھی تھی، جس میں بصد اصرار بلال صاحب کو مدعو کیا تھا۔ وہ جانا تو نہیں چاہتے تھے، مگر چلے آئے اور آنے کے بعد پچھتائے۔ دولت آجانے کے بعد لوگوں کے بدلنے کا سنا تو ضرور تھا، مگر یہاں تو ہفتوں

بقیہ صفحہ 29 پر

رشنا کی واپسی

میر جواد ٹالپر

"رشنا۔۔۔! جلدی کرو، بی جان نے اگر دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔" شاہانہ بیگم نے دروازے پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"مما! بس دو منٹ، میں آ رہی ہوں۔" رشنا نے میک اپ کی دبیز تہ اپنے چہرے پر لگاتے ہوئے کہا۔

"مما! اگر بی جان نے دیکھ لیا تو۔۔۔" رشنا نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"بی جان کو میں دیکھ لوں گی۔" شاہانہ بیگم نے کہا۔

رشنا ابھی گھر سے باہر نکل ہی رہی تھی کہ بی جان آ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" بی جان کو دیکھ کر شاہانہ بیگم کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

"بی جان پلیز! آج جانے دیں۔ میری فرینڈ کی بَرتھ ڈے ہے، پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" رشنا نے کہا۔

"نہیں، بالکل نہیں! واپس چلو اندر۔ وقت دیکھا ہے، آٹھ بج چکے ہیں۔ رات کے وقت گھر سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں۔" بی جان نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"بی جان میں جلدی آ جاؤں گی۔" رشنا نے منّت کی۔

"کہا نا نہیں، واپس چلو اندر۔" بی جان نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا ہے بی جان؟ آپ تو میری بچی کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔ فرینڈ کی بَرتھ ڈے پر جا رہی ہے، آپ تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہیں جیسے کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ رہی ہے۔" شاہانہ بیگم کی بات پر رشنا کے چہرے پر ایک رنگ گزر گیا۔

"شاہانہ! تم میری نفرت میں لڑکی بگاڑ رہی ہو۔ زمانہ بہت خراب ہے۔ یہ وقت نہیں ہے اکیلی لڑکی کے باہر جانے کا۔" بی جان نے کہا۔

"بس بی جان! رشنا میری بیٹی ہے۔ اسے آپ سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مجھے پورا بھروسا ہے رشنا پر۔ جاؤ رشنا تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔" شاہانہ بیگم نے کہا اور رشنا گھر سے باہر نکل گئی۔

"تمہاری جیسی مائیں ہی ہوتی ہیں، جن کی اولاد بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے۔" بی جان نے جاتے ہوئے کہا۔

"بی جان! آپ کو تو بس موقع چاہیے مجھے سنانے کا۔" شاہانہ نے کہا اور کچن میں اپنے لیے چائے بنانے جانے لگی۔

"ایک تو بی جان کی باتیں سر میں درد کر دیتی ہیں۔" شاہانہ نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے کہا۔

◆◆◆

بی جان ایک نیک اور مذہبی خاتون تھیں۔ ساری زندگی المربالمعروف و نہی عن المنکر کرتے گزری۔ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا ان کی زندگی کا اہم حصہ تھیں۔ شاہانہ بیگم شادی کے بعد جب اس گھر میں آئیں، تب انھیں بی جان کا ہر وقت روک ٹوک، نماز اور قرآن کی تاکید کرنا برا لگتا۔ شاہانہ بیگم فطرتاً آزاد خیال عورت تھی۔ فیشن اور شاپنگ کی دلدادہ! وقت مل گیا تو نماز پڑھ لی، ورنہ یہ کہہ دیتی کہ اللہ تعالیٰ غفور رّحیم ہے، معاف کر دے گا۔ بی جان بہت سمجھاتی، لیکن شاہانہ بیگم ہر بات کو ہوا میں اڑا دیتی۔ تھک ہار کر بی جان نے شاہانہ کو کہنا چھوڑ دیا۔ اب رشنا بھی اس ڈگر پر چل رہی تھی، جس کا بی جان کو بہت افسوس تھا۔ شاہانہ بیگم نے رشنا کو ہر چیز میں آزاد چھوڑا ہوا تھا۔ ہر غلط بات پر رشنا کو فل سپورٹ کرتی، جس سے رشنا کو کبھی صحیح اور غلط کا فرق ہی نہیں سمجھ میں آیا۔ شاہانہ بیگم کے مطابق بچوں کو آزادی دو تو ہی بچے کانفیڈنٹ ہوتے ہیں۔ بس جمعے کے دن ایک نماز پڑھ لیتی تھی۔ بی جان کچھ کہتیں تو شاہانہ بیگم غصہ ہو جاتی کہ ابھی رشنا کی عمر ہی کیا ہے۔ یہ نماز، قرآن تو عمر ڈھلے کی عبادتیں ہیں۔ بی جان شاہانہ بیگم کی باتوں پر استغفر اللہ کر کے کانوں کو ہاتھ لگاتی۔

رات کے بارہ بجے رشنا کی واپسی ہوئی۔ شاہانہ بیگم سو گئی تھی۔ بی جان تو عشاء کے بعد ہی سو جاتی تھی۔

"سوری مما۔۔۔" رشنا نے شاہانہ بیگم کے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

◆◆◆

شاہانہ بیگم نے رشنا کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ رشنا واش روم میں تھی۔ اس کا موبائل بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔

"لڑکی پر نظر رکھو، زمانہ خراب چل رہا ہے۔ کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو ساری زندگی خود کو معاف نہیں کر سکو گی۔" بی جان کی کہی ہوئی بات شاہانہ بیگم کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے آئی۔

"بی جان بھی کبھی کبھی ایسی باتیں کر جاتی ہیں، ذہن سے ہی نہیں نکلتی۔ میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔ پورا بھروسا ہے مجھے اس پر۔" شاہانہ بیگم نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بیڈ پر پڑے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی، کسی کا میسج تھا۔

شاہانہ بیگم نے ایسے ہی موبائل اُٹھا کر دیکھا۔ اسکرین پر میسج دیکھ کر موبائل ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر بیڈ پر جا گرا۔ شاہانہ بیگم کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ ایک خوف نے ان کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہاتھ پاؤں بلکل ٹھنڈے ہو گئے۔

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا! رشنا مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔" شاہانہ بیگم نے اپنے آپ کو ایک جھوٹی تسلی دی۔

واش روم کا دروازہ کھلا اور رشنا شاہانہ بیگم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر چونک گئی۔

"مما آپ یہاں؟" رشنا نے پوچھا۔

"کل کہاں گئی تھی؟" شاہانہ بیگم نے غصے میں تیز لہجے میں پوچھا۔

"میں بَرتھ ڈے۔۔۔!" رشنا کے اتنا کہنے سے ہی شاہانہ بیگم کا ہاتھ اٹھا اور ایک زوردار تھپڑ رشنا کے منہ پر لگا۔

"خبردار۔۔۔! جواب جھوٹ بولا تم نے۔ کب سے چل رہا ہے یہ، کب سے تم میری آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی۔" شاہانہ بیگم نے غصے میں لرزتی آواز میں پوچھا تو رشنا نے نظریں جھکالی تھی۔

"رشنا بول دو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ رشنا نہیں ہو سکتی، کتنا بھروسا تھا مجھے تم پر اور بی جان۔۔۔ میں بی جان کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ رشنا تم نے مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا ہے۔ کتنا کہتی تھی بی جان، لیکن ہر بار میں نے بی جان کو چپ کرایا، لیکن رشنا آج تم نے مجھے گونگا کر دیا۔ میں تو اب کبھی بی جان کے سامنے بول ہی نہیں سکوں گی۔" شاہانہ بیگم روتے ہی ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اس کا مطلب بی جان صحیح کہتی تھی۔ کل بھی تم کسی بَرتھ ڈے میں نہیں، اس لڑکے کے ساتھ گئی تھیں۔ رشنا تم نے میری نرمی اور محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" شاہانہ بیگم نے خالی نظروں سے رشنا کو دیکھ کر کہا۔

"رشنا! ابھی بھی وقت ہے، تم یہ سب کچھ ختم کر دو۔ باقی میں سنبھال لوں گی۔" شاہانہ بیگم نے بے بس ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں مما! میں اب پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔" رشنا نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"تمہارے جیسی مائیں ہی ہوتی ہیں، جن کی اولاد بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے۔" بی جان کا کہا ہوا جملہ شاہانہ بیگم کے کانوں میں گونجا۔ اب وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ شاہانہ بیگم کا پچھتانے کے علاوہ کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ خالی ہاتھ اور تہی داماں رہ گئی تھی۔

شکر ہے، تمھیں احساس تو ہوا شاہانہ! وقت ابھی بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔ رشنا کو صحیح راستے پر ابھی بھی تم لا سکتی ہو۔ بس اب تمھیں تھوڑی زیادہ محنت کرنے پڑے گی۔

شاہانہ بیگم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رشنا کمرے سے جا چکی تھی۔ دروازے پر بی جان کھڑی تھی، شاہانہ بیگم کو لگا جیسے وہ اب کبھی ہل نہیں سکے گی۔

◆◆◆

اگلے دن رشنا امی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی، کہہ رہی تھی مما مجھے معاف کر دیں۔ کل میں جب اس لڑکے کے ساتھ گھومنے گئی تو وہ مجھے ایک دوست کے گھر لے گیا۔ دونوں کی نظریں مجھ پر غلط تھیں، میں سمجھ رہی تھی وہ مجھ سے شادی کرے گا، یہی اس نے کہا تھا، لیکن دوسرے کمرے میں دونوں کی سرگوشیوں نے میری آنکھیں کھول دیں۔ ان کا پلان مجھے استعمال کرنے اور اسی گھر میں قید رکھنے کا تھا۔ میں دبے پاؤں نکل کر بھاگتی ہوئی آئی ہوں۔ آپ معاف کر دیں، اب میں کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گی۔

اچانک رشنا کو اپنے سر پہ ایک ہاتھ محسوس ہوا، مڑ کے دیکھا تو بی جان تھیں، رشنا بی جان کے گلے لگ گئی۔

بقیہ

بلاعنوان

میں ہی کایا پلٹتی دیکھ لی۔ رضوان صاحب کا گھرانہ روایت پسند اور شریف مزاج تصور کیا جاتا تھا، مگر اس تقریب میں مکس گیدرنگ، گانا بجانا، بچیوں کی بے پردگی اور دولت کے بے جا اسراف کو دیکھ کر وہ بددل ہو گئے تھے۔ سارے ماحول میں ایک چیز نمایاں تھی اور وہ تھی "ریاکاری" یعنی دکھلاوا پن! سادہ مزاج کے حامل بلال صاحب خود نمود و نمائش سے بہت دور بھاگتے تھے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر گہرے تأسف کا اظہار کیا۔

◆◆◆

نورالعین کو سوتے میں یک دَم روشنی کا احساس ہوا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے روشنیوں کے مرکز کی جانب نگاہ کی تو وہ حیران سی اس طرف چلی آئی۔ یہ روشنیاں دراصل رضوان صاحب کے گھر کی جلتی بیرونی لائٹوں سے آ رہی تھیں۔ پورا گھر چاروں طرف سے روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ نچلا پورشن بند ہونے کی وجہ سے نورالعین اور تمام گھر والے رات کو گرمیوں میں چھت پر چلے آتے تھے، چوں کہ سب سے اونچا گھرانہی کا تھا، سو پردے کی طرف سے بھی بے فکری رہتی، مگر اب رضوان صاحب کا گھر ان سے بھی اونچا ہو چکا تھا۔

ابو اوپر چھت پر آئے تو یہ صورتِ حال دیکھ کر انھوں نے پڑوسیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا اور لائٹیں آف کروائیں۔ اگلے تین چار دن مسلسل یہی روٹین رہی تو انھیں غصہ آنے لگا۔

"اس لیے جلا دیتے ہوں گے کہ راہ گیروں کو آسانی ہو۔" امی جان نے مثبت پہلو دِکھانا چاہا۔

"خاک راہ گیروں کا خیال! پچھلے دو سالوں سے ہم کہہ کہہ کر تھک گئے، تب تو خیال نہ آیا اب کہاں سے ایسی ہم دردی جاگ رہی ہے۔ اچھی طرح پتا ہے ہمیں، اپنے "ماشاء اللہ" کو دِکھانے کے لیے جلاتے ہیں۔۔۔" ان کے طنز پر نورالعین چونکی۔ واقعی نئے گھر کے ساتھ ہی انھوں نے نئے طرز کا میٹل کا خوب صورت سا "ماشاء اللہ" بھی دیوار پر آویزاں کروالیا تھا، جو روشنیوں کے ہالے میں گھرا چمکتا مزید دلکش دکھائی دیتا۔ اس نے سنا بابا مزید کہہ رہے تھے۔۔۔ "عجب بے وقوفی کر رہے ہیں، سالوں کٹھن محنت کر کر کے پیسا کمایا اور اب ریاکاری کی نظر کر رہے ہیں۔ ارے ہم تو خوش ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کے بعد آسانی دی، مگر یہاں روش ہی الٹی چل نکلی۔ نئی دولت کیا آئی اپنی روایات، اقدار سب بھول بھلا گئے۔ اسی لیے تو احادیث میں ریاکاری کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ خیر! میں صبح خود رضوان صاحب سے بات کروں گا، اُمید ہے سمجھ جائیں گے۔"

اِدھر نورالعین رضوان ہاؤس کو نظروں کے ترازو میں تولتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ واقعی دِکھلاوہ بذاتِ خود کیسی مصیبت ہے جو اپنے ساتھ کئی اور مصیبتیں لے آتی ہے۔ کہیں حاسد پیدا ہو جاتے ہیں، کہیں لوگوں کو احساس کم تری میں مبتلا کر جاتی ہے۔ (اب اس کی نظر رضوان صاحب کے بھائی کے گھر پر تھی، جو ان کے سامنے بونا سا دِکھائی دیتا تھا اور کہیں نہ کہیں اس گھر کے مکین بھی) یہ نہ ہو تو خود انسان اپنی صلاحیتوں، دولت اور وقت کو محض دوسروں کی ستائش کی خاطر ضائع کرتا رہ جاتا ہے۔ اس نے تاروں بھرے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی اور وہاں ہی کھڑے کھڑے مالکِ حقیقی سے عہد کیا کہ وہ کبھی بھی "ریاکاری" کو نہیں اپنائے گی کہ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: "اللہ تعالیٰ ریاکار کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔"

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

خواتینز کا درد

امِ محمد سلمان

کیا آپ جانتے ہیں کہ خواتین میں سب سے زیادہ بولا جانے والا جھوٹ کون سا ہے؟ ارے بھئی آپ تو زیرِ لب مسکرا رہے ہیں... اس کا مطلب آپ جانتے ہیں خواتین سب سے زیادہ جھوٹ اپنی عمر کے بارے میں بولتی ہیں۔ جی ہاں یہ بات واقعی سچ ہے۔ اب چاہے جھوٹ بولنے کی وجہ سے منہ سے کتنی ہی ناگوار بو آئے اور فرشتہ چاہے ایک میل دور چلا جائے مگر یہ طے ہے کہ یہ مخلوق جھوٹ بولے گی ضرور!

ویسے ہم اس معاملے میں خواتین کو یہ مارجن دینے کے لیے تیار ہیں کہ ان سے ان کی عمر کی بابت نہ ہی پوچھا جائے تو بہتر ہے۔ بھلا کیوں کسی بے چاری کو جھوٹ جیسے گناہ عظیم کے ارتکاب پر مجبور کرتے ہیں آپ۔ کچھ خدا کا خوف کریں۔ میری نظر میں تو وہ سب لوگ اس گناہ عظیم میں تعاون کے برابر مجرم ہیں جو خواتین سے ان کی عمر پوچھ کے انھیں جھوٹ بولنے پر مجبور کرتے ہیں۔ (بھئی یہ ہمارا نظریہ ہے اور اس نظریے سے اختلاف کا آپ سب کو پورا حق ہے)

آخر کسی کو کیا خاتون کی عمر کتنی بھی ہو... وہ دیکھنے میں کیسی بھی لگتی ہو... آخر لوگ کیوں بے چاری خواتین کی عمر جاننے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں...!

اب دیکھیے ذرا... ایک خاتون خانہ اپنی پسند کے بگھارے بینگن پکانے کے بعد ذرا سی دیر کو پڑوسن کا حال احوال لینے کیا پہنچیں کہ وہاں موجود مہمان خاتون نے چھوٹتے ہی انھیں آنٹی کہہ کے سلام دے مارا....

افففففففف... جسے وہ اپنے سے بڑی سمجھ رہی ہوں وہی انھیں آنٹی کہہ جائے تو اس وقت اس خاتون کا درد کون سمجھ سکتا ہے! یقیناً اس درد کی صحیح ترجمانی متاثرہ خاتون ہی کر سکتی ہیں۔ کیا کسی پہاڑ کا وزن ہوتا ہوگا جو اس ایک لفظ "آنٹی" کا ہے۔

لیکن خیر عمر کی بات رہی ایک طرف... بھئی آپ نہ بتانا چاہیں تو ٹال دیجیے۔ بات گھما دیجیے۔ بلکہ مخاطب سے الٹا انھی کی عمر کے بارے میں سوال کر لیجیے۔ حساب برابر....! مگر خدارا... جھوٹ بولنے سے احتراز کیجیے، ناحق کسی معصوم فرشتے کو تکلیف نہ دیجیے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے دو خواتین کسی تقریب میں ملیں اور گپ شپ کرنے لگیں۔ ایک نے دوسری کی عمر پوچھی، اس نے بتایا کہ چالیس سال ہو گئی ہے تو پہلی والی کہنے لگی "ارے... آپ کی عمر اتنی زیادہ ہے!! میں تو کم سمجھی تھی، پھر تو مجھے آپ کو احتراماً باجی یا آپا کہنا چاہیے۔"

"جی جی! آپ بالکل کہہ سکتی ہیں، ویسے آپ کی عمر کتنی ہے؟" خاتون نے فراخ دلی سے کہتے ہوئے ساتھ ہی ان کی عمر بھی پوچھی۔

"میری عمر ابھی بتیس سال ہے۔" خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ارے واقعی آپ کی عمر بتیس سال ہے!!! لگتی تو آپ بیالیس کی ہیں۔ دیکھیے تو ابھی سے چہرے پر کتنا پکا پن ہے۔ میری مانیں تو عرق گلاب سے منہ دھویا کیجیے۔" (لو بھئی ہو گیا حساب برابر، یہاں ہر سیر کو سوا سیر ہے۔)

خاتون خاصی جز بز ہوئیں اور اٹھ کے دوسری میز کی طرف چل دیں۔ کم عمری کا خمار منٹوں میں اڑن چھو ہو گیا۔

لو بھئی اور پوچھو عمر.... دنیا میں اور باتیں کم ہیں کرنے کے لیے!

ویسے عورتیں اپنی عمر چاہے کتنی ہی کم بتائیں یہ بھی حقیقت ہے کہ مردوں سے زیادہ عمر پاتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے ہونے والے اعلانات سن لیجیے.... آئے دن کوئی شفیق، کوئی رفیق، کوئی عدنان، کوئی حاجی عبد المنان، کوئی مولوی عبد القدوس یا کوئی ڈاکٹر سمیع اللہ فوت ہو رہا ہوتا ہے۔ بہت کم ہی کسی عقیلہ، شکیلہ، راحیلہ یا سعیدہ کے انتقال کی خبر آتی ہے، لیکن خیر ہم کیا کہہ سکتے ہیں بھلا... جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

ویسے بھئی ہماری تو مخلصانہ رائے ہے کہ کوئی عمر پوچھے تو ٹھیک ٹھیک بتا دیا کیجیے مگر صرف طبّی معائنے کے وقت۔ باقی اوقات میں آپ کو ٹال دینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ ویسے اگر ہم سے کوئی عمر پوچھے تو کہہ دیتے ہیں کہ "چالیس سال اور کچھ مہینے...." اب آگے کوئی اتنا عقل مند نہیں جو یہ پوچھے کہ چالیس سال سے اوپر جو کچھ مہینے ہیں... خیر سے ان کے کتنے سال بنتے ہیں؟؟

چلیں چھوڑیں جی... عمر کی بات رہی ایک طرف... کم بتائیں یا زیادہ... عمر تو جتنی ہے اتنی ہی رہے گی۔ سانسیں تو کم زیادہ ہو نہیں سکتیں۔ بس اس عمر کو مفید بنانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو یہ عمرِ رفتہ ہاتھ سے نکل جائے، فرشتہ اجل سامنے کھڑا ہو اور اس وقت اس پونجی کے ضائع ہونے کا افسوس ہو۔ مگر اس وقت یہ افسوس بھی کسی کام کا نہیں۔

قیامت کے دن یہ سوال بھی پوچھا جائے گا کہ عمر کہاں کن کاموں میں خرچ کی؟

کتنے ہی خوش نصیب لوگ ہوں گے اس دن جو کہہ رہے ہوں گے... اللہ میاں! اتنی عمر نماز، روزوں، دیگر فرائض منصبی اور دینی تعلیمات کے سیکھنے سکھانے میں خرچ کی۔ اتنی عمر اپنی بشری ضرورتیں پوری کرنے میں خرچ کی۔ اور جب کبھی کسی گناہ کا داعیہ پیدا ہوتا تھا تو اتنا اتنا وقت اپنے نفس و شیطان کو سمجھانے میں لگتا تھا۔ فارغ وقت میں کثرت سے تیرا ذکر کرتے تھے۔ لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتے تھے اور خود بھی ان پہ عمل کرتے تھے۔

اور کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس اس دن کوئی تسلی بخش جواب نہ ہوگا کیوں کہ وہ اپنی قیمتی عمر اس فانی دنیا کی لذتوں کے حصول میں ضائع کر کے چلے گئے۔ اس دن خجالت سے دائیں بائیں دیکھتے ہوں گے، وہ حسرتیں ہوں گی کہ جن حسرتوں کو خود پر حسرت ہوگی، مگر اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

سوشل میڈیا کا دھوکا اور احساسِ کم تری

فاطمۃ الزہرا بنتِ جلال

مہرالنسا پانچ بھائیوں کی ایک بہن تھی اور سب سے چھوٹی۔ گھر میں لاڈ اور پیار اس پر پھولوں کی طرح نچھاور ہوتا۔ وہ بھی سب کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ لمبے بال، بڑی آنکھیں، سفید رنگ، شوخ مزاج اور خوش رہنے والی، نرم دل اور معصوم سی۔ والدین دین دار تھے اور زندگی میں اعتدال سے چلتے تھے۔

میٹرک کے امتحانات ختم ہوئے تو رزلٹ آیا۔۔۔ بھائی کی طرف سے ایک موبائل تحفے میں ملا۔ رزلٹ بھی اچھا آیا تھا اور موبائل کا تحفہ ملتے ہی مہرو کی خوشی کو جیسے پر لگ گئے۔ وہ بے اختیار بول اٹھی: ”اب میری بھی زندگی بدلنے والی ہے“

بس پھر کیا تھا، وہ لمحہ جیسے اس کی زندگی کا رُخ موڑ گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں آیا اور یوں لگا گویا اس کے سامنے ایک نئی دنیا کے دروازے کھل گئے ہوں۔

جب مہرو نے آگے پڑھنے کا سوچا تو والدین نے اسے کالج بھیجنے کی بجائے پرائیویٹ امتحانات دلوانے کا فیصلہ کیا، لیکن موبائل اس کے پاس آگیا تھا۔ وہ اپنی دوستوں کو کالج جاتے دیکھتی۔۔۔ انسٹاگرام، فیس بک اور اسنیپ پر ان کی تصاویر اور اسٹیٹس دیکھتی تو دل میں اُداس ہو جاتی۔

”کاش۔۔۔ کاش! میں بھی اپنی دوستوں کی طرح کالج جانے کا مزہ دیکھتی۔ کاش! میں بھی تصویریں لیتی، اسٹوری لگاتی۔“

پھر یوٹیوب، انسٹا اور فیس بک پر وی لاگرز اور بلاگرز کے ویڈیوز۔۔۔ کوئی میک اپ سکھا رہا ہے، کوئی نئے ریسٹورنٹس کے ریویوز دے رہا ہے، کوئی خاندان کے ساتھ وی لاگ بنا رہا ہے۔ سب کی زندگی جیسے رنگوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے شاپنگ مال، قیمتی کپڑے، نئے ذائقے کے کھانے، چہروں پر مصنوعی مگر دلکش مسکراہٹیں۔

اور دوسری طرف جب مہرو اپنی زندگی پر نظر ڈالتی تو اسے لگتا جیسے وہ کسی اندھیری قید میں ہے۔

حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ بڑا گھر تھا، گاڑی تھی، گویا ہر ضرورت اور سہولت موجود تھی۔ بھائی ایک آواز پر سب کچھ حاضر کر دیتے۔ کھانے گھر کے سادہ مگر صحت مند ہوتے۔ والدین کہتے تھے:

”باہر کے فضول اور غیر معیاری کھانوں سے بہتر ہے گھر کے سادہ کھانے۔“

مگر مہرو کا دل ان وی لاگرز کے کھانوں، کپڑوں اور رنگین محفلوں پر اٹک گیا تھا۔ وہ لگژری لائف اسٹائل چاہتی تھی۔

امی گھریلو خاتون تھیں، وہ اپنی بیٹی کو سادہ رکھنا چاہتی تھیں۔ بہت زیادہ میک اَپ کرنے سے اور نئے دور کے فیشنی کپڑے پہننے سے، جس سے جسم کی ساخت نمایاں ہو، منع کر دیتی تھیں، کیوں کہ بیٹی کے چہرے کی معصومیت چھوٹی عمر میں پختگی میں نہ بدل جائے۔ اس لیے اکثر کہتیں: ”مہرو! تمہارے چہرے پر ابھی معصومیت ہے، اسے آرٹیفیشل رنگوں کی ضرورت نہیں ہے۔“

مگر مہرو کے دل میں یہ بات بوجھ بن جاتی۔ اسے لگتا کہ سب کچھ میرے لیے قید ہے۔ پکچر کھنچوانا، سوشل میڈیا پر ڈالنا، میک اَپ کرنا۔۔۔ سب پر روک ٹوک تھی۔

ایک دن اس نے ماں سے اُداس لہجے میں کہا: ”امی! آپ کو لگتا ہے کہ یہ سب روکنے سے میں خوش رہوں گی؟ مجھے لگتا ہے جیسے میں قید میں ہوں۔“

ماں نے بیٹی کو سمجھایا۔۔۔ لیکن ان کے لہجے کی نرمی بھی مہرو کے دل کی اُداسی ختم نہ کر سکی۔ ایک ہی بیٹی تھی، اس لیے گھر والے محتاط رہتے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے، مگر مہرو کے نزدیک یہ احتیاط ایک قید تھی۔

وقت گزرتا گیا، جو بچی سب کی آنکھوں کا نور تھی، وہ رفتہ رفتہ اندھیروں میں ڈوبنے لگی اور احساسِ کم تری کا شکار ہو گئی اور احساسِ کم تری میں مبتلا ہو کر وہ آہستہ آہستہ اپنی خود اعتمادی کھو بیٹھی اور ہر فیصلے میں دوسروں کی رائے کی محتاج ہو گئی۔ وہ خود کو دوسروں کے مقابلے میں ناکام اور کم زور سمجھنے لگی، جس کی وجہ سے اس کے دل میں مایوسی اور اُداسی پیدا ہو گئی۔ وہ دوسروں سے موازنہ کرنے لگی اور اپنی خوبیوں کو بھلا کر صرف کم زوریوں کو دیکھنے لگی، نتیجتاً وہ سماجی محفلوں سے دور ہو گئی۔ بعض اوقات اس کی کیفیت حسد اور منفی رویّوں کو بھی جنم دینے لگی، کیوں کہ دوسروں کی کام یابی اس کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس سب کا اثر نہ صرف اس کی شخصیت اور ترقی پر پڑا بلکہ نیند، بھوک اور مجموعی صحت بھی متاثر ہونے لگی اور یوں احساسِ کم تری نے مہرو کو اندر سے کھوکھلا کر کے زندگی کی خوشیوں اور مواقع سے محروم کر دیا۔

جیسے وہ مصنوعی دنیا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنی حقیقت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو۔

والدین گھبرا گئے۔ اسے فیملی لیڈی ڈاکٹر نازیہ کے پاس لے کر گئے۔ ڈاکٹر نے سب باتیں سنیں پھر مہرو کا ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں کہا: ”مہرو! یہ جو سوشل میڈیا کی دنیا ہے، یہ روشنی اور رنگوں کا ایسا آئینہ ہے، جو تم دیکھتی ہو وہ حقیقت نہیں ہے۔ اصل زندگی وہ ہے جو تمہارے دل کے اندر ہے اور تمہارے اپنے گھر میں ہے۔“

یہ الفاظ مہرو کے دل میں اترنے لگے اور اس کی آنکھوں سے انسو بہنے لگے مگر وہ آنسو کم اور سکون زیادہ تھے۔ وقت کے ساتھ وہ مصنوعی خوابوں سے نکل کر اپنی اصل زندگی کی طرف واپس آنے لگی۔

مہرو کے اس واقعے سے معلوم ہوا کہ سوشل میڈیا اور اس کی غیر حقیقی دنیا نے بچوں کو احساسِ کم تری کا شکار بنا دیا ہے۔ بچے حقیقت کو چھوڑ کر جھوٹی لگژری لائف اسٹائل اختیار کرنے لگتے ہیں، شارٹ کٹ راستے اپناتے ہیں اور اگر یہ سب نہ ملے تو غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ تعلیم سے دور ہو جاتے ہیں اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے بلکہ گھنٹوں موبائل میں وقت ضائع کرتے ہیں اور اپنے اخلاق و کردار کو متاثر کر دیتے ہیں۔

والدین کے لیے سبق یہی ہے کہ جب بچوں پر پابندیاں لگائیں تو پہلے ان سب روک تھام کی وجوہ بتائیں۔ سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے پیار سے سمجھائیں۔ بچوں کو سوشل میڈیا کی حقیقت، نقصانات اور فائدے بتائیں۔ اگر وہ اس راستے پر چل پڑیں تو انھیں ڈانٹنے کی بجائے پیار سے سمجھائیں، کاؤنسلنگ کریں اور اللہ کی بے شمار نعمتوں کی قدر کا احساس دلائیں۔ اس طرح والدین اپنے بچوں کی زندگی اس معاشرتی المیہ سے بچا سکتے ہیں۔

تقسیم: دل جوڑنے کا راستہ

ایمن امیر معاویہ

مصطفیٰ یونیورسٹی میں میڈیکل کے آخری سال کا طالب علم تھا۔ وہ اپنے بڑے بھائی ایان اور والدین کے ساتھ کراچی میں مقیم تھا۔ چار افراد پر مشتمل یہ گھرانہ کڑیوں کی طرح جُڑا ہوا تھا۔ سب آپس میں محبت کے ساتھ رہتے۔ مصطفیٰ کا بڑا بھائی ایان اُس سے پانچ سال بڑا تھا، لیکن مصطفیٰ ہر بات میں ایان کی طرح کرنے کی کوشش کرتا اور ایان بے حد شفقت کے ساتھ مصطفیٰ کے ساتھ پیش آتا۔ دونوں ساتھ کھاتے، پیتے، سوتے، ایک ہی چھت کے نیچے رہتے اور ایک ہی والدین کی تربیت میں تھے۔

ان کے والد کا کہنا تھا "میرے دو بیٹے میرے دو بازو ہیں۔" کبھی کہتے "ایان میرا دماغ اور مصطفیٰ میرا دل ہے۔" مصطفیٰ نہایت رحم دل، رشتوں کو جوڑنے والا، سادہ طبیعت، شریعت کی سمجھ رکھنے والا مذہبی لڑکا تھا۔ اپنی پڑھائی بھرپور توجہ کے ساتھ کر رہا تھا جب کہ ایان گریجویشن کر لینے کے بعد والد کے ساتھ کاروبار میں مدد کرنے لگا۔

ایک دن مصطفیٰ اور ایان کے بچپن کے دوست کی شادی تھی، جو کراچی سے منتقل ہو کر لاہور میں مقیم ہو گیا تھا۔ ایان اور مصطفیٰ نے اُس کی شادی کے لیے جوش کے ساتھ تیاری کی اور دو دن کے لیے لاہور چلے گئے۔ مصطفیٰ اور ایان دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور شادی کی رونقوں کے مزے لے رہے تھے کہ اچانک کال آئی، جس پر اطلاع ملی کہ ان کے والدین کا ایک بازار کے قریب کار ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور ان دونوں نے وہیں دم توڑ

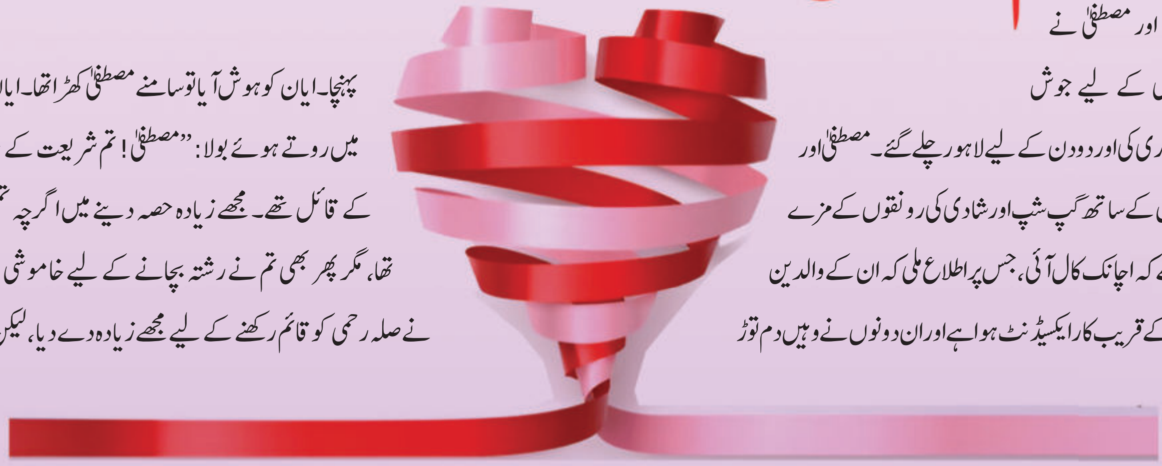

دیا ہے۔ دونوں بھائی خود کو سنبھالتے، روتے اور کانپتے کراچی پہنچے اور والدین کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا عمل انجام دیا۔ ایان رو رو کے بے حال ہو رہا تھا، لیکن مصطفیٰ نے چھوٹا بھائی ہونے کے باوجود اُس کو سنبھالا، صبر کی باتیں، اللہ کی مدد اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا کہہ کر ایان کو حوصلہ دیا۔

کچھ دن ایسے ہی افسوس کے ساتھ اور مہمانوں کی آمد و رفت میں گزرے۔ ایک دن ایان اور مصطفیٰ کے درمیان باپ کی جائیداد پر بات ہوئی۔ ایان کہنے لگا: "میں نے والد کے ساتھ کاروبار میں مدد کر کے پانچ سال کا عرصہ لگایا ہے، تم تو پڑھتے رہتے تھے، لہٰذا میرا حصہ تم سے زیادہ ہونا چاہیے۔" جبکہ مصطفیٰ شریعت کے اعتبار سے میراث کی تقسیم کا قائل تھا، لیکن بڑے بھائی کے احترام اور اپنی رحم دلی، رشتوں کو جوڑے رکھنے جیسی صفات کی وجہ سے بھائی کی بات مان لی اگرچہ دل سے راضی نہ تھا۔

اسی زبانی اقرار مگر خفیہ خاموشی اور دل کی عدم رضا کی وجہ سے دونوں بھائیوں کے درمیان آہستہ آہستہ دوری آنے لگی۔ مصطفیٰ جوڑ کی کوشش کرتا، لیکن اس کے باوجود پہلے بات چیت کم ہوئی، پھر کھانا پینا الگ ہوا، پھر گھر الگ ہوئے اور ایان کاروبار میں لگ گیا، جبکہ مصطفیٰ پڑھائی مکمل کر کے مزید آگے نہ پڑھ سکا، لیکن ایک اسکول میں سائنس کا اُستاد مقرر ہو گیا اور قناعت کے ساتھ زندگی گزارنے لگا۔ ایان نے کاروبار مزید بڑھانے کے لیے چند لوگوں کے ساتھ شراکت داری کی اور انھوں نے اُس کو دھوکا دیا، جس کی وجہ سے وہ قرض میں ڈوب گیا اور سارا مال ضائع ہو گیا۔ ایک دن ایان اسی پریشانی کو ذہن میں لیے گاڑی چلا رہا تھا کہ توجہ نہ ہونے کی وجہ سے گاڑی درخت میں جا لگی اور وہ وہیں اس حادثے میں بے ہوش ہو گیا۔ قریب موجود لوگ اُسے اسپتال لے گئے۔ اُس کے فون میں مصطفیٰ کا نمبر "بھائی" کے نام سے محفوظ تھا، لوگوں نے اُس پر کال کر کے اطلاع دے دی۔

مصطفیٰ کو پتا لگا تو بھاگتا ہوا اسپتال پہنچا۔ ایان کو ہوش آیا تو سامنے مصطفیٰ کھڑا تھا۔ ایان کمزور آواز میں روتے ہوئے بولا: "مصطفیٰ! تم شریعت کے مطابق تقسیم کے قائل تھے۔ مجھے زیادہ حصہ دینے میں اگرچہ تمہیں نقصان تھا، مگر پھر بھی تم نے رشتہ بچانے کے لیے خاموشی اختیار کی۔ تم نے صلہ رحمی کو قائم رکھنے کے لیے مجھے زیادہ دے دیا، لیکن ہم دل سے جدا ہو گئے۔ ہم نے سب کچھ بانٹ دیا، مگر شریعت کے فیصلے میں جو خیر تھی اُس کو کھو دیا۔ کاش! اُس دن میں شریعت کا فیصلہ مان لیتا تو ہم دونوں ساتھ کاروبار کرتے، ایک دوسرے کا سہارا بنتے، پھر مجھے ان فراڈی لوگوں کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔"

مصطفیٰ نے ایان کا ہاتھ تھام لیا، اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر لہجہ پُرسکون تھا۔ کہنے لگا: "ایان میرے بھائی! یہ شرعی تقسیم صرف حصے بانٹنے کا نام نہیں، بلکہ دلوں کو جوڑنے کا راستہ ہے۔ شریعت کے حکم میں ہمیشہ خیر ہوتی ہے جو ہمیں دیر سے سمجھ آئی، مگر شکر ہے اب سمجھ آگئی کہ ہم نے سب کچھ بانٹ دیا، مگر بہت اہم چیز کھو دی اور وہ شریعت کے فیصلے کی خیر ہے۔"

خاموش جنگل

حفصہ فیصل

حمزہ اور سہیل چھٹیاں گزارنے دادا جان کے گاؤں آئے تھے۔ اس بار دونوں بہت متجسس (excited) تھے۔ گاؤں کے قریب ہی ایک خوب صورت جنگل موجود تھا، جہاں وہ جانے کے لیے بے تاب تھے۔

دونوں ٹین ایجر تھے اور آج کل ان پر شکاریات پر کہانیاں پڑھنے کا شوق سوار تھا، اسی لیے اس بار شکاری آلات یعنی غلیل، تیر اندازی کا سامان، دور بین، اسکوپس، چاقو، چمڑے کے موزے وغیرہ ساتھ لائے تھے۔

پہلے دن انھوں نے سفر کی تھکان اتاری۔ اگلے دن دونوں نے اپنا مدعا دادا جان کے سامنے بیان کر ڈالا۔ پہلے تو دادا جان سوچ میں پڑ گئے، لیکن پھر دونوں کے شوق کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اجازت دے دی۔

”دادا جان! آپ تو اس جنگل میں بہت دفعہ گئے ہوں گے، جنگل کے متعلق کچھ معلومات دے دیجیے۔“ سہیل بولا۔

”نہیں بیٹا! اب تو کافی عرصہ ہو گیا جنگل گئے ہوئے، ان پیروں کی تکلیف نے مجھے فطرت سے دور کر دیا ہے، حالاں کہ ایک وقت تھا کہ میں نے جنگل سے کئی پرندوں کا شکار کیا، کچھ چھوٹے چھوٹے جانور بھی شکار کیے۔ آج مجھے تم دونوں کے روپ میں اپنا آپ نظر آ رہا ہے، بس خیال سے جانا!“

”دادا جان! کوئی رہنمائی کی بات تو بتا دیجیے، تاکہ ہم محتاط رہیں۔“ حمزہ بولا۔

”ہاں! ایک بات یاد آئی، پچھلے دنوں ہمارے پڑوسی نظیر میاں نے بتایا تھا کہ آج کل جنگل بڑا ویران ہو رہا ہے۔ اب دیکھو! تم دونوں کو کوئی شکار ملتا ہے یا نہیں۔۔۔“

”اچھا! اب تم دونوں جلدی سو جاؤ، تاکہ صبح فجر کے فوراً بعد شکار کے لیے روانہ ہو سکو۔“

”حمزہ! یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ دادا جان ٹھیک کہہ رہے تھے، جنگل تو ویران پڑا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے، سارے پرندے اور جانور جنگل چھوڑ کر کہیں اور ہجرت کر گئے ہیں۔“ سہیل مایوسی سے بولا۔

”سہیل! تمھیں یاد ہے، ہم نے ایک کہانی پڑھی تھی؛ اس کا نام 'خاموش جنگل' تھا۔ مجھے یہ جنگل بھی اُس جنگل کے جیسا محسوس ہو رہا ہے۔ کہیں یہ جنگل بھی کسی جادوگر کے زیرِ اثر تو نہیں!“ حمزہ نے تجسّس سے کہا۔

”مطلب ہمارا یہ سارا ساز و سامان لانا بیکار گیا۔“ سہیل بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ایک تو تم مایوس بہت جلدی ہو جاتے ہو۔

ہم اس جنگل کو آباد کریں گے، اچھا گمان رکھو۔“ حمزہ جذبے سے بولا۔

”اچھا! وہ کیسے؟“ اور پھر حمزہ نے شمال کی جانب رُخ کر کے کوئل کی کو کو کی آواز نکالی، جو پورے جنگل میں گونجنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے جنوب کی طرف رُخ کر کے طوطے کی ٹَیں ٹَیں کی آواز نکالی، وہ آواز بھی خوب گونجی۔ اب حمزہ نے مشرق کی سمت چڑیا کی چوں چوں کا انداز اپنایا اور پھر ایک خوب صورت منظر سہیل اور حمزہ نے دیکھا کہ تینوں جانب سے چڑیا، طوطے اور کوئل اپنی آوازوں میں بولتے ہوئے جنگل میں داخل ہو رہے تھے۔

”ارے واہ! تم نے تو کمال ہی کر دیا حمزہ۔۔۔“ سہیل ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”ابھی رُکو تو سہی۔۔۔!“

اب حمزہ نے دوبارہ اسی طرح مختلف پرندوں کی آوازیں مختلف سمتوں میں کھڑے ہو کر نکالیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ پرندے بھی لوٹ کر جنگل میں آنے لگے۔ تھوڑی دیر پہلے جو جنگل خاموشی اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا، اب اس جنگل میں چہچہاٹیں تھیں، شور تھا، رونق تھی۔

”حمزہ یہ سب کچھ تم کیسے کر رہے ہو، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟“

”پیارے بھائی! تم وہ کہانی بھول گئے ہو، لیکن مجھے یاد ہے۔ دراصل اس کہانی میں بھی جنگل کے سارے پرندوں کو جادوگر نے ڈرا کر بھگا دیا تھا اور خود جنگل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، مگر اس جادوگر کی موت واقع ہو گئی اور وہ جنگل ویران رہ گیا، پھر ایک دن اس جنگل سے ایک شخص کا گزر ہوا اور اس کو خاموش جنگل کی خاموشی سے وحشت ہونے لگی۔ اس نے مختلف پرندوں کی آوازیں نکالی اور دیکھتے ہی دیکھتے پرندے مختلف سمتوں سے اڑتے چلے آئے۔ بس! میں نے بھی وہی ترکیب آزمائی اور تم دیکھ سکتے ہو کہ کیسے میری ترکیب کام یاب ٹھہری۔ اسی لیے میں تمھیں ہمیشہ کہتا ہوں کہ ہمیشہ اچھا گمان اور اچھی اُمید رکھنی چاہیے۔“

”اب گھر چلو، بہت دیر ہو گئی ہے، دادا جان انتظار کر رہے ہوں گے۔ ان پرندوں کو بھی اپنے آشیانے بنانے کا موقع دو، ہم ایک دو دن کے بعد دوبارہ شکار کے لیے آئیں گے اور چند پرندے شکار کر کے لے جائیں گے۔“ حمزہ نے سہیل سے کہا۔

اب دونوں ایک خوب صورت احساس کے ساتھ جنگل سے واپس لوٹ رہے تھے۔

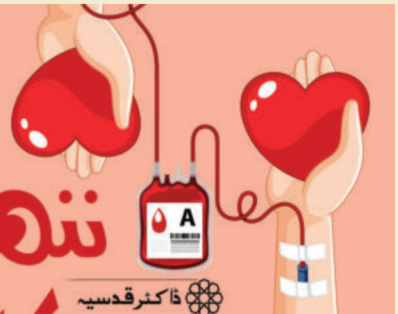

ننھا احمد اور خون کا عطیہ

ڈاکٹر قدسیہ

احمد ایک معصوم سا بچہ تھا۔ وہ ہمیشہ کھیل کود میں خوش رہتا تھا، مگر اکثر تھک جاتا اور سانس پھولنے لگتی۔ اس کی ماں بہت پریشان رہتی۔ ڈاکٹر کے پاس لے جانے پر معلوم ہوا کہ احمد کو تھلیسیمیا ہے۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ احمد کے جسم میں خون کی کمی رہتی ہے، اس لیے اسے ہر کچھ دنوں بعد خون لگوانا پڑے گا۔ احمد کی ماں غمگیں ہوئی، مگر ڈاکٹر نے حوصلہ دیا: ”اگر لوگ خون کا عطیہ کرتے رہیں تو احمد جیسے بچے ہمیشہ صحت مند رہ سکتے ہیں۔“

احمد نے اپنی ماں سے کہا: ”امی! جب میں بڑا ہوں گا تو سب کو بتاؤں گا کہ خون دینا زندگی بچاتا ہے۔“ یوں احمد کی مسکراہٹ دوسروں کو بھی زندگی دینے کا پیغام بن گئی۔

میں آزاد ہوں

حجاب زہرہ

وہ شاید نہیں جانتی تھی کہ میں آزاد ہوں۔ مجھے قید نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے روکنے کے لیے کیا کیا اقدام نہ اُٹھائے گئے۔ میرے پر کاٹ دیئے گئے۔ میرے چاروں طرف لوہے کی دیوار کھڑی کردی گئی مگر شاید میری مالکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھے زیادہ دیر تک اسیر نہیں رکھ سکتی۔ میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی وہیں کا رہائشی تھا جو کہ اپنے نصیب کو تسلیم کر چکا تھا مگر میں تو ہار ماننے والی نہ تھی۔ مجھے تو بس ایک موقع کی تلاش تھی۔

چند ہی دن گزرے تھے کہ میری مالکن کو مجھے چھت پر پھرانے کا خیال آیا۔ وہ مطمئن تھی کہ میرے پر کٹے ہوئے ہیں مگر یہ نہ جانتی تھی کہ میرا حوصلہ بلند اور ارادے مضبوط ہیں۔ اُس دِن شاید قدرت بھی میرے ساتھ تھی اور ہوائیں میرے حق میں۔ اُس نے مجھے اپنے

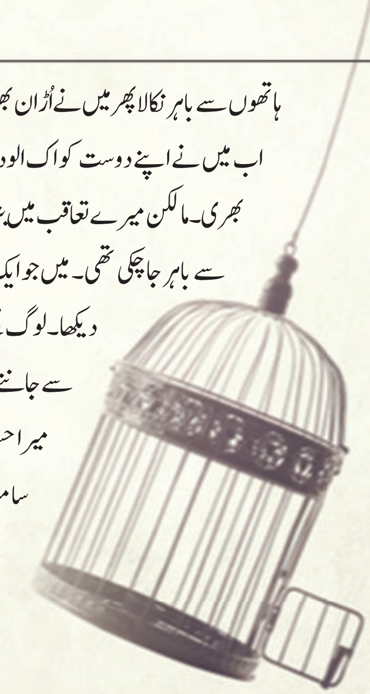

ہاتھوں سے باہر نکالا پھر میں نے اُڑان بھری۔ مالکن کا دل منہ کو آگیا۔ اب میں نے اپنے دوست کو اک الوداعی نظر دی اور پھر ایک پرواز بھری۔ مالکن میرے تعاقب میں بڑھی مگر میں تو اُس کی دسترس سے باہر جاچکی تھی۔ میں جو ایک بار کو مڑی تو پھر پلٹ کر نہ دیکھا۔ لوگ مجھے شیرازی کبوتر کے خاندان سے جانتے ہیں جو کہ میرا نصب ہے اور میرا حسب ہار نہ مان کر مشکلات کا سامنا کرنا ہے۔

سچ کا چراغ

آمیلیہ فلک

گاؤں ''نور پور'' میں ایک چھوٹے سے کچے گھر میں آٹھ سالہ حسّان اپنی ماں رُخسانہ بی بی کے ساتھ رہتا تھا۔ رُخسانہ بی بی بہت محنتی دین دار اور صابر خاتون تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد اُس کا واحد سہارا اُس کا اکلوتا بیٹا حسّان تھا۔ حسّان ایک ذہین، فرماں بردار اور نیک بچہ تھا۔ وہ روز مدرسے جاتا اور قرآنِ پاک کی تلاوت اور نماز کا پابند تھا اور قرآنِ پاک حفظ کر رہا تھا۔

ایک دن مدرسے میں قاری نعمان صاحب نے کہا:

''بچو! کل سورۃ الملک مکمل زبانی سنانی ہے، جو نہیں سنایا گا اس کو سزا ملے گی۔''

بچوں کے چہروں پر سنجیدگی چھا گئی۔ حسّان جب مدرسے سے گھر آیا تو سب سے پہلے گھر آکر اپنی امی کو بتاتا ہے

''امی! کل سورہ مُلک سنانی ہے۔ اگر یاد نہ ہوئی تو قاری صاحب سزا دیں گے۔''

حسّان کی امی کہتی ہے: ''بیٹا، نیت کرلو! اللہ پاک آسانی کریں گے۔ تم سچ بولنے والے ہو، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔''

حسّان نے وضو کیا اور قرآنِ پاک کھولا۔ ابھی کچھ آیات ہی یاد کی تھیں کہ اُس کے دوست علی اور راشد دروازے پر آگئے۔

علی: ''حسان چلو! آج دریا کے کنارے ہوا بہت اچھی چل رہی ہے، مزہ آئے گا۔''

''لیکن مجھے قرآنِ پاک کا سبق یاد کرنا ہے۔'' حسّان تھوڑا ہچکچاتے ہوئے بولا۔

''ارے یار ایک دن چھٹی کرلو، کل پڑھ لینا۔ آج موسم اچھا ہے، چلو انجوائے کرتے ہیں۔''

راشد مسکراتے ہوئے بولا تو حسّان دوستوں کی باتوں میں آگیا اور ان کے ساتھ چلا گیا وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور کھیلتے کھیلتے شام ہوگئی اور وہ سبق بھی یاد نہ کرسکا۔

اگلے دن جب حسّان مدرسے میں گیا تو قاری صاحب نے سب بچوں کو بلایا اور سب سے باری باری سبق سننا شروع کر دیا، جب حسّان کی باری آئی تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور چہرے کی رنگت بدل گئی۔

جب قاری صاحب نے کہا: ''حسّان بیٹا آؤ سورہ ملک سناؤ!'' حسّان کی آنکھیں نَم ہو گئیں، لیکن اس نے سچ نہ چھپایا۔

''قاری صاحب! میں نے سبق نہیں یاد کیا۔۔۔ میں کل اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے چلا گیا تھا۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ قاری صاحب پہلے اس گھورتے رہے، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد قاری صاحب نے نرم آواز میں کہا: ''بیٹا! آپ نے غلطی تو کی ہے لیکن سچ بول کر میرا دل جیت لیا ہے۔ آج آپ نے سبق نہ سنا کر بھی بہت کچھ سکھا دیا۔ اس دن قاری صاحب نے سزا نہیں دی بلکہ حسّان کی سچائی پر سب بچوں کو نصیحت کی۔''

''پیارے بچو! جھوٹ وقتی طور پر آپ کو بچا سکتا ہے، لیکن سچ ہمیشہ سر اٹھا کر جینا سکھاتا ہے۔''

حسّان نے گھر آکر اپنی امی کو سب بتایا اور اس کی امی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

''میرا بیٹا! سچائی پر کبھی سمجھوتا نہ کرنا، یہی آپ کو کام یاب بنائے گی۔''

سچائی دل کو جیت لیتی ہے۔ وقتی نقصان ہو بھی جائے، لیکن سچ کا چراغ وہ روشنی ہے جو پوری زندگی کو منوّر کر دیتا ہے۔ بچوں کو بچپن سے سچ بولنے کی عادت ڈالیں، یہی عمل ان کی شخصیت کی بنیاد بنتا ہے۔

پانڈے میاں

سمیرا انور

صبح کی کرنوں نے جوں ہی آنکھ کھولی اور پُر سکون انگڑائی لی تو دور دور تک روشنی بکھیر دی۔ زندگی کی چہل پہل نے اپنا راج جمانا شروع کر دیا۔ جھیل کے صاف پانی نے بھی ہلچل مچانا شروع کر دی اور وادی کے سبزے کی مہکار بھی اپنا دامن پھیلانے لگی۔ ننھی ننھی چہکار اپنی سُریلی مٹھاس سے اس خوب صورت جزیرے کو رونق بخشنے لگی۔ ننھے پانڈے نے اپنے گھر سے باہر جھانکا تو اسے رنگ برنگی تتلیوں کی ایک ٹولی دِکھائی دی، جنھوں نے اسے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا اور پھر سے پھولوں پر منڈلانے لگیں۔ پانڈے میاں نے منہ دباتے ہوئے جمائی روکی اور اپنے امی، ابو کو بتا کر جھیل کی طرف چل پڑا۔ اس جزیرے میں ایک طرف ہری بھری وادی تھی اور دوسری طرف جھلمل کرتی جھیل تھی۔ اس کا تازہ پانی سب کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا، اس کے کنارے پر پھولوں کی لمبی باڑ تھی۔ جھیل کے ایک طرف ٹھنڈی ریت کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہیں پر پانڈے میاں صبح کے وقت ہلکی پھلکی ورزش کرتے تھے۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا، اسے بہت مزہ آتا تھا۔

آج وہ جیسے ہی وہاں پہنچا تو مرغابی کا بچہ چھلانگیں لگا لگا کر ساری ریت خراب کر رہا تھا۔ پانڈے کو بہت غصہ آیا، اس نے مرغابی کے بچے کو خوب ڈانٹا اور وہاں سے بھگا دیا۔ وہ منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اسے ریت ٹھیک کرنے میں کافی وقت لگ گیا، جس کی وجہ سے وہ بہت تھک گیا۔ اپنی تھکن کم کرنے کے لیے وہ جھیل میں نہانے لگ گیا۔ کچھ دیر نہانے کے بعد وہ نکلا تو اسے بھوک محسوس ہوئی، گھر تو جانے کا بالکل بھی دل نہیں کر رہا تھا۔

اس جزیرے سے نکل کر ہی وہ اپنی خوراک کا انتظام کر سکتا تھا، کیوں کہ اس کی پسند کا کھانا تو دوسری طرف جنگل سے ہی ملتا تھا۔ وہ اب اکثر ہی اُدھر کھانے چلا آتا تھا۔ پتوں اور جڑوں کی مکس غذا اسے گھر کے کھانے سے زیادہ مزیدار لگتی تھی۔ اس کی امی اسے اکثر روکتی تھیں کہ باہر سے کچھ نہ کھایا کرو، کیوں کہ اس میں جراثیم کی ملاوٹ ہوتی ہے، جس سے صحت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ باہر سے کھانے والی بات کا علم اس کے ابو کو نہیں تھا، اسے مار نہ پڑے اسی وجہ سے اس کی امی انھیں نہیں بتاتی تھیں۔

"بیٹا! جلدی واپس آنا، میں تمہارے لیے ناشتہ بنا رہی ہوں۔" صبح جب وہ گھر سے نکل رہا تھا تو اس کی امی کی آواز آئی تھی، حالاں کہ وہ جانتی تھیں کہ وہ اپنی ضد کا پکا ہے، باہر سے کھا کر ہی آئے گا۔

جنگل میں پہنچ کر وہ جڑیں اُکھاڑنے لگا اور پھر سوکھے پتوں کو اکٹھا کر کے ایک درخت کے نیچے رکھتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا اور مزے لے کر کھانے لگا۔ مٹی سے بھری جڑیں اور خشک پتوں کی تہ اس کے منہ میں گھسنے لگی، مگر وہ بے نیازی سے کھانے میں مصروف تھا۔ اسے اپنی امی کی کوئی نصیحت یاد نہیں تھی، اس کا ناشتہ اور کھانا تو بہت تازہ اور صاف ستھرا بنتا تھا، جسے وہ منہ بنا بنا کر کھاتا تھا۔ اس کی امی جڑی بوٹیاں اچھی طرح دھوتیں، پھر انھیں بار بار صاف کرتیں اور اس کے بعد اسے کھانے کے لیے دیتیں۔ اس کے ابو بھی وادی سے سبز پتے توڑ کر لاتے، تاکہ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کو کھلا سکیں، لیکن اس کی امی بہانہ کر دیتیں کہ وہ کھیلنے گیا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ تو جنگل چلا آتا تھا اور وہیں سے پیٹ بھر کر آتا تھا، جس کی وجہ سے شام تک گنجائش نہیں رہتی تھی۔

وہ کھانے کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اسے یوں لگا جیسے اس کا پیٹ کوئی بُری طرح چیر رہا ہو۔ درد کی شدّت سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ اس کے آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا، جسے وہ مدد کے لیے بلاتا۔ تکلیف کے مارے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ کراہنے لگا۔

مرغابی کا بچہ اپنی امی کے ساتھ جنگل میں کھیلنے آیا تو اس نے پانڈے میاں کو دیکھا تو بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا: "اوہ! اسے کیا ہو گیا، ابھی صبح تو میں نے اسے ٹھیک ہی دیکھا تھا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اس کے قریب چلا آیا اور جب اسے کراہتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ بیمار ہے۔ اس نے جلدی سے کچھ فاصلے پر حکیم ہرن کا دروازہ بجایا۔

"ارے اتنی دوپہر میں تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ہرن نے اسے پسینے میں شرابور دیکھ کر اس کی وہاں کی آنے وجہ پوچھی۔

"حکیم انکل! وہاں پانڈے میاں بے سُدھ پڑے ہیں، ان کی حالت خراب ہے، آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "اچھا! ٹھہرو، اپنا سامان لے آؤں۔ ہرن نے اپنا دواؤں والا تھیلا اٹھایا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔

پانڈے کی حالت بہت خراب تھی۔ اس نے مرغابی کے بچے کی مدد سے پیٹ درد کی جڑی بوٹی پیسی اور اس کے منہ میں انڈیل دی۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھ کھولی تو پیٹ پکڑے درد سے بلبلانے لگا۔ اس کے امی، ابو بھی وہاں آ پہنچے اور اپنے بچے کو تڑپتا دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اس کی امی تو رونے ہی لگ گئیں۔ ہرن نے انھیں دِلاسا دیا کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ جڑی بوٹی کا پانی پھر اسے پلایا گیا تو درد میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ وہ اپنی امی اور ابو کو دیکھ کر رونے لگا۔ ساری بات سن کر اس کے ابو کو بہت افسوس ہوا کہ انھیں اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ ان کا بیٹا باہر کی خوراک کھاتا رہا ہے، اسی وجہ سے وہ اس حالت کو پہنچا ہے۔ اس کی امی نے شرمندگی سے سر جھکا دیا کیوں کہ ان کی غلطی کی تھی کہ وہ کبھی اس کے ابو کو کچھ نہیں بتاتی تھیں۔

"امی، ابو! مجھے معاف کر دیں۔ اب کبھی باہر کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور ناشتہ کیے بغیر گھر سے نہیں نکلوں گا۔" ننھے پانڈے نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

ہرن انکل نے اسے دوا دی اور باقاعدگی سے استعمال کرنے کی نصیحت بھی کی۔ اس نے مرغابی کے بچے کی طرف دیکھا جو ایک طرف چھپا ہوا تھا، شاید اس کے غصے سے ڈر رہا تھا۔ ہرن نے بتایا کہ اسی کی وجہ سے آج پانڈے میاں بچ گئے ہیں، کیوں کہ وہی ان کو بلا کر لایا تھا۔ پانڈے کے امی، ابو نے اسے پیار کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد پانڈے نے بھی اپنے رویے کی معافی مانگی اور اسے اپنا پکا دوست بنا لیا، کیوں کہ اس کی وجہ سے ہی وہ موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔

بس اتنا سا؟

مریم رضوان

اسمبلی کے اختتام پر مِس شائستہ نے اعلان کیا: ”پیارے بچو! آپ سب کے علم میں ہے کہ آپ کا اسکول یتیم بچوں کے لیے امدادی مہم رکھ رہا ہے۔ اس ہفتے آپ سب کو اپنا حصہ ضرور ڈالنا ہے۔ کپڑے، کتابیں، کھلونے، پیسے جو بھی ممکن ہو، ضرور لائیں۔ ہر کلاس کو اپنا حصہ دینا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، وہ ایسے ہیں جیسے ایک دانہ، جس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے تھوڑے سے عطیے کو بھی بہت بڑا بنا دیتے ہیں، اگر نیت سچی ہو۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسکرانا بھی صدقہ ہے!“ تو سوچو! جب ہم کسی یتیم کو کتاب، کھلونا یا کپڑا دیں گے تو اللہ کو کتنی خوشی ہوگی۔“ یہ سن کر بچوں میں خاصا جوش بھر گیا۔

علی نے ایک خوب صورت ڈبا رنگین کاغذ سے سجایا تھا، جو کلاس روم کے کونے میں رکھا گیا۔ اس پر بڑے حروف میں لکھا تھا: ”اپنا حصہ ڈالیں، نیکی کمائیں!“

اگلے دن تمام بچے خوشی خوشی اپنا سامان لا رہے تھے۔ کوئی کپڑے، کوئی نئی پینسلیں، کوئی کھلونے۔ غرض ہر بچہ کچھ نہ کچھ لے کر آیا اور ڈبے میں ڈالنے لگا۔ علی نے اپنی پسندیدہ کتابیں ڈالیں اور سمیر سے پوچھا: ”تم کیا لے کر آئے ہو؟“ سمیر نے جیب سے ایک چمکتا ہوا سکہ نکالا، انگلیوں پر گھمایا اور فخر سے ڈبے میں ڈال دیا۔

”بس اتنا سا؟“ علی نے چونک کر کہا۔ ”یہ تو اونٹ کے منہ میں زیرہ ہے!“

سمیر کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ ”صدقہ نیت سے ہوتا ہے، رقم سے نہیں۔“ وہ منہ بنا کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

علی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مِس شائستہ کلاس میں آئیں تو بچے قدرے چپ ہوگئے۔

”بچو! کوئی بتائے گا صدقہ کسے کہتے ہیں؟“ انھوں نے نرمی سے پوچھا۔

سب نے باری باری جواب دیا:

- علی: صدقہ، مطلب کسی غریب کو پیسے دینا۔
- اریبہ: کوئی چیز جو ہمیں نہیں چاہیے، وہ دے دینا۔
- فراز: جب دل کرے تو اللہ کے لیے کچھ دے دینا۔
- حنین: صرف پیسے دینا۔
- سمیر (فخر سے): صدقہ نیت سے ہوتا ہے، چاہے ایک روپیہ ہی کیوں نہ ہو!

مِس شائستہ نے سب کی بات سنی، پھر مسکرا کر آہستہ سے کہنے لگیں: صدقہ صرف پیسے دینے کا نام نہیں اصل صدقہ وہ ہوتا ہے جو دل سے دیا جائے۔۔۔ اور جو آپ کو خود بھی عزیز ہو۔

پھر انھوں نے بورڈ پر لکھا: جو چیز آپ کو پسند ہو، وہ دینا، اصل نیکی ہے۔

پھر انھوں نے ایک نظر پوری کلاس پر ڈالی: کیا کوئی اپنے پسندیدہ کھلونے کو دینا چاہے گا؟

سب خاموش ہوگئے، پھر دانیال نے آہستہ سے ہاتھ اٹھایا۔ سمیر اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

وقفے کے وقت بچے باہر دوڑتے ہوئے نکلے۔ کچھ کھیلنے لگے، کچھ اپنے لائے ہوئے پیکٹ صدقے کے ڈبے میں ڈالنے آرہے تھے۔

سمیر دانیال کے پاس آیا: ”ایک بات پوچھوں؟“ دانیال نے مسکرا کر سر ہاں میں ہلایا۔

”تم نے مِس کے سوال پر ہاتھ اٹھایا تھا، کیا سچ میں تم اپنے پسندیدہ کھلونے دے دو گے؟ وہ تو تمھیں بہت پسند ہوں گے نا!“

دانیال مسکرایا اور بولا: ”ہاں، مجھے وہ بہت پسند ہیں۔ میں کسی کے ساتھ شیئر بھی نہیں کرتا۔ لیکن میں صدقہ کروں گا، کیوں کہ میری امی کہتی ہیں: ”تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پا سکتے، جب تک اپنی محبوب چیزیں خرچ نہ کرو۔“ امی کہتی ہیں کہ یہاں نیکی سے مراد جنت ہے تو میں اللہ میاں کو خوش کرنے کے لیے اپنے پسندیدہ کھلونے صدقہ کروں گا۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے بھاگ گیا۔

اتنے میں علی ایک بیگ لیے آیا۔

”یہ دیکھو! میری پرانی، مگر صاف ستھری جرسی۔۔۔ اور یہ کتابیں بھی! میں نے سوچا، کسی بچے کے کام آجائیں گی۔“ سمیر نے بیگ پر نظر ڈالی۔

”یہ تو تمھیں خود بھی پسند تھیں نا؟“

”ہاں، مگر کسی اور کے تن پر زیادہ خوب لگیں گی۔“ علی نے مسکرا کر کہا۔

میری امی نے کہا: ”جو پسندیدہ ہو، وہ دینا، سچی نیکی ہے۔“ سمیر کچھ دیر چپ کھڑا رہا، پھر آہستہ سے لان کے کونے میں آبیٹھا۔

”کیا ایک روپیہ واقعی کافی ہے؟ جبکہ میری خرچی پچاس روپے ہے۔“

اُس نے زمین پر انگلی سے لکیریں بناتے ہوئے سوچا: ”کیا میں نے بس اس لیے دیا کہ باقی دے رہے تھے؟ یا دل سے۔۔۔؟ کیا اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش نہیں ہوں گے؟ میں اب کیا کروں؟“

اچانک اُسے خیال آیا: ”میری نئی رنگ کی پینسلیں۔۔۔ وہ تو مجھے بہت پسند ہیں! میں انھیں صدقہ کر دوں گا۔ وہ کسی اور کو خوشی دے سکتی ہیں۔“ دل جیسے نرم سا ہو گیا، آنکھوں میں نمی اور چمک آگئی۔ ”کل۔۔۔ کل کچھ اچھا دوں گا، ایسا جو واقعی میرے دل کو لگتا ہو۔“

اگلی صبح جب سمیر اسکول آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی۔ اس میں نئی پینسلیں، کتابیں اور ڈرائنگ بک بھی تھیں۔ اس نے وہ سب صدقے کے ڈبے میں ڈال دیا اور ساتھ اپنی جیب خرچی بھی۔

استاد نے خوش ہو کر شاباش دی اور علی حیرت سے مسکرا کر بولا: ”اب تو اونٹ بھی شکریہ کہے گا!“ یہ سن کر سب بچے اور اساتذہ مسکرا پڑے۔

اس بار سمیر نے صرف سکہ نہیں۔۔۔ دل سے نیکی کی تھی!

سبق: ”اصل صدقہ وہ ہوتا ہے، جو دل سے دیا جائے اور جو ہمیں خود بھی عزیز ہو۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ

”تم نیکی کو نہیں پا سکتے، جب تک وہ چیز نہ خرچ کرو جو تمھیں محبوب ہو۔“

”جب نیت ہو سچی۔۔۔ تو ایک سکہ بھی سات سو بن جاتا ہے!“

چڑیا اور کسان

ماریہ جبران

ایک کسان کے کھیت میں ایک چڑیا نے اپنا گھونسلا بنایا۔

کسان روز کھیت میں کام کرتا اور چڑیا کو اناج بھی ڈال دیتا۔

چڑیا خوش رہتی کیوں کہ کسان اس کا دوست بن گیا تھا۔

ایک دن تیز بارش ہوئی تو کسان نے گھونسلا بچانے کے لیے درخت کے نیچے چھوٹا سا چھپّر بنا دیا۔

چڑیا نے شکریہ ادا کیا اور کہا: ”اچھے دوست مشکل وقت میں پہچانے جاتے ہیں۔“

بیکار سے بیگار بھلی

ڈاکٹر الماس روحی

موتی پور گاؤں میں تاج الدین نام کا ایک شخص رہتا تھا۔ پیشے کے لحاظ سے وہ بڑھئی تھا، مگر سچ پوچھیں تو کام سے اس کی کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ اسے محنت کرنا برا لگتا تھا، اسی لیے وہ سارا دن گھر میں پڑا رہتا۔

تاج الدین کی بیوی، دو بچے اور ایک بوڑھا باپ تھا، جو لوہار تھا۔ باپ نے بچپن ہی سے اسے اپنا ہنر سکھانا چاہا، مگر تاج الدین نے کبھی دھیان نہ دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ کام بہت محنت کا ہے۔ گاؤں کے باقی لڑکے بڑے ہو کر اپنے باپوں کے پیشے میں ماہر ہو چکے تھے۔۔۔ کوئی کسان تھا، کوئی لکڑہارا، کوئی کمہار، کوئی چڑیمار، کوئی کباڑیا اور سب نے اپنی روزی کا بندوبست کر کے اپنے بوڑھے والدین کو آرام دے دیا تھا۔

لیکن تاج الدین کو کوئی فکر نہ تھی۔ اس کی بیٹی ”چھٹکی“ کو کپڑے کی گڑیا بہت پسند تھی، جو وہ ہر سال میلے میں شوق سے دیکھتی مگر خرید نہ پاتی۔ اس کا بیٹا رنگ برنگے غباروں کو حسرت سے تکا کرتا اور اس کی بیوی لال سرخ چوڑیاں پسند کرتی مگر ہاتھ نہ آتیں۔

پھر ایک دن تاج الدین کا باپ بیمار پڑ گیا۔ گھر میں فاقے ہونے لگے۔ بیوی، بچے اور باپ سب ترسی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتے۔ گاؤں والے بھی افسوس کرتے کہ یہ شخص اپنے گھر کا سہارا کیوں نہیں بن پاتا۔

گاؤں کی ایک معمر خاتون، ماسی، جو جہاں دیدہ تھی، اکثر اس کے گھر آ جاتی۔ ایک دن اس نے اسے سمجھایا: ”تاجو!“ کمانے والا مرد ہی گھر کی عزت ہوتا ہے۔ غریب کی بیوی اور بچوں کو سب دباتے ہیں۔ لوگ تمہیں اور تمہارے بچوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اپنا ہنر نہیں تو کوئی دوسرا کام کر لو۔ چاہے کوئی مفت کا کام بھی دے، کر ڈالو۔ کیا تم نے یہ محاورہ نہیں سنا ”بیکار سے بیگار بھلی؟“ یعنی بے کار رہنے سے مفت کا کام کرنا بہتر ہے، کیوں کہ محنت کرنے سے ہی انسان کی قدر بڑھتی ہے۔

ماسی کی یہی بات تاج الدین کو اچھی لگی اور وہ سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ اُٹھا اور اپنے پرانے دوست دینو مچھیرے کے پاس گیا۔ تاج الدین کو مچھلی پکڑنے کا شوق تھا اور وہ اکثر شکار کے لیے دریا جاتا رہتا تھا۔ دینو نے اس کے حالات سن کر اسے اپنے ساتھ کام پر مفت میں رکھ لیا۔

یوں تاج الدین بڑھئی سے مچھیرا بن گیا۔ وہ صبح سویرے اُٹھ کر دریا جانے لگا۔ آہستہ آہستہ اسے کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اب ہر کام اسے اچھا لگنے لگا۔ جس دن وہ شکار پر نہ جاتا، اس دن وہ لکڑی کا کام کرتا۔۔۔ گاؤں والوں کے لیے دروازے، کھڑکیاں، چوکھٹیں اور چارپائیاں بنانے لگا۔

کبھی کبھار دینو مچھیرا اسے دو چار مچھلیاں پکڑا دیتا، مگر وہ منع کرتا کیوں کہ یہ کام اس کی بیگار تھی۔ اسی بیگار نے اسے محنت کی عادت ڈال دی تھی۔ اب وہ ہر کام شوق سے کرنے لگا تھا۔

گھر کے حالات بھی بدلنے لگے۔ بیمار والد کی دوا آنے لگی، بیٹی ”چھٹکی“ کو کپڑے کی گڑیا مل گئی جو اس نے میلے سے خوشی خوشی خریدی۔ بیٹے کے پاس رنگ برنگے غبارے آ گئے اور بیوی نے لال اور ہرے رنگ کی چوڑیاں بڑے چاؤ سے پہن لیں۔

ایک دن کھانے کے بعد تاج الدین لیٹا تو مسکرا کر سوچنے لگا:
”اب ہمیں کوئی حقیر فقیر نہیں سمجھتا۔“

واقعی۔۔۔ ماسی نے درست کہا تھا: ”بیکار سے بیگار بھلی“

مشکل الفاظ / معنی

بڑھئی	لکڑی کا کام جاننے والا
لوہار	لوہے کا کام جاننے والا
کمہار	برتن بنانے جاننے والا
چڑیمار	چڑیا پکڑنے والا
کباڑیا	خراب سامان خریدنے والا
چھٹکی	چھوٹی بیٹی
جہاں دیدہ	دنیا جس نے دیکھی ہو
حقیر	کم تر

مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

ارسلان اللہ خان ارسلؔ

صداقت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو
امانت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

ہر اِک مخلوق سے سرکار کو بے حد محبت تھی
محبت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

غریبوں پر، ضعیفوں پر، مریضوں پر کرم کرنا
عنایت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

عدو بھی گر ہوا بیمار تو اُس کی عیادت کی
عیادت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

کلامِ مصطفیٰ ﷺ سب کو سمجھ میں صاف آتا تھا
فصاحت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

دلوں کو نرم کر دیتی تھیں باتیں میرے آقا ﷺ کی
بلاغت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

ذرا دیکھو نبیِّ محترم ﷺ کا آخری خطبہ
خطابت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

مرے سرکار ﷺ بچّوں سے بہت ہی پیار کرتے تھے
جو شفقت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

مخالف دل بھی کھنچتے تھے مرے سرکار ﷺ کی جانب
متانت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

کوئی سائل نہ لوٹا ہاتھ خالی آپ ﷺ کے در سے
سخاوت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

نہیں تمثیل آقا کی کوئی شرم و حیا میں بھی
جو عصمت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

نمازیں ہوں کہ روزے ہوں کہ حج خانۂ کعبہ کا
عبادت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

اگرچہ جاں کے دشمن تھے بھروسہ بھی انھی پر تھا
دیانت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

وہ میدانِ اُحد ہو یا حُنین و بدر کا موقع
شجاعت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

اُنھی کے مشورے سے کی گئی تنصیب اسودَ کی
فراست سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

لِباسِ پاک، کنگھی، سُرمہ و مسواک اور خوشبو
نفاست سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

چٹائی کا بچھونا اور سادہ سی غذا کھانا
قناعت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

ہمیشہ دُشمنوں سے آپ نے نرمی ہی فرمائی
شرافت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

سبھی سے خوش مزاجی اور سب کے کام آجانا
یہ عادت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

محمد مصطفیٰ ﷺ نے مومنوں کو ایک کر ڈالا
یہ حکمت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

حکومت جس نے قائم کی مدینے کی فضاؤں میں
حکومت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

اُنھی کی ذاتِ کامل ہے برائے پیروی سب کی
جو رحمت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

وہ پتھر دو بندھے ہیں پیٹ پر خندق کے موقعے پر
مشقّت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

میرے سرکار اپنے کام خود انجام دیتے تھے
جو محنت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

مرے سرکار وہ کرتے جو اللہ اُن سے فرماتا
ریاضت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

وسائل کم تھے لیکن قیصر و کسریٰ سے ٹکرائے
یہ جرأت سیکھنی ہو تو مرے سرکار سے سیکھو

کُھلے دشمن بھی ان کے عدل کی تعریف کرتے تھے
عدالت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

محمد مصطفیٰ ﷺ تھے ارسلاںؔ مظلوم کے حامی
حمایت سیکھنی ہو تو مرے سرکار ﷺ سے سیکھو

بچوں کے فن پارے

ارفع گل 12 سال لاہور

حائقه بلال، ششم ، لاہور

ماریہ جبران ، نو سال کراچی

عنبر عروج، پنجم ،12 سال، شنکیاری مانسہرہ

محمد ہادی 12 سال کراچی

محمد افنان 11 سال کراچی

وریشہ خرم ،12 سال حیدر آباد

مناہل رفیق دس سال ، میر پور خاص

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپےانعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے حسین احمد خان کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

ماہنامہ فہم دین اکتوبر 2025ء کے سوالات

سوال 1: حیدر کے کیا معنی ہیں؟

سوال 2: شعر مکمل کریں: جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا

سوال 3: کالوڈان اور اس کے ڈاکو دوست امدادی کیمپ میں کیا کرنے آئے تھے؟

سوال 4: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کو کیا کہا کرتے تھے؟

سوال 5: تمام برائیوں کی جڑ کیا ہے؟

یہ سوالات ستمبر 2025 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔
جوابات کی آخری تاریخ 15 اکتوبر 2025ء ہے

پیارے بچو!

اکتوبر کا مہینہ خزاں کی خوشبو اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے لے کر آتا ہے۔ درختوں کے پتے زرد ہو کر گرنے لگتے ہیں۔ پرندے رزق اور بہتر زندگی کے لیے نقل مکانی کرتے ہیں۔ یعنی قدرت ہمیں سکھاتی ہے کہ اتار چڑھاؤ اور تبدیلی زندگی کا حصہ ہے۔

اسی مہینے کی 5 تاریخ کو عالمی سطح پر اساتذہ کا دن بھی منایا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اس مہینے ماہ نامہ فہم دین کی بزم ادب میں استاد پر منظوم کلام شاملِ اشاعت کیا گیا، ضرور پڑھیے گا، یوں تو ہر دن استاد کا ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے لیکن کچھ کام بھولا سبق یاد کروانے کے لیے کیے جاتے ہیں، اسی طرح 5 اکتوبر کو ہمیں زیادہ اہتمام سے اساتذہ کی عزت عظمت ان کے وقار کو بیان کرنا اور سراہنا چاہیے۔

بچو! موسم بدل رہا ہے، اس ماہ میں سردیوں کی آمد کی جھلک نظر آنے لگتی ہے، تبدیل ہوتے موسم میں اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ گھر، گلی اور اسکول میں صفائی کا اہتمام کریں۔ مسکرانا سنت ہے اس لیے ہمیشہ مسکراتے رہیں۔

ستمبر 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر چونیاں قصور سے عائزہ راشد کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

اکتوبر 2025ء کے سوالات کے جوابات

1- عمل

2- فاطمہ جناح

3- ریاض، وہ ایک کسان تھے۔

4- دس سال، چوتھی جماعت

5- پرندوں کے شور کی وجہ سے

بلاعنوان کا عنوان

ستمبر 2025 کے ماہ نامہ فہم دین میں تنزیلہ احمد کی بلاعنوان کہانی شائع ہوئی تھی، اس تحریر کو عنوان دینے کی مہم میں متعدد قارئین نے حصہ لیا، **کراچی سے محمد مصطفیٰ نور** کا عنوان بہترین قرار پایا، انھیں 300 روپے انعام مبارک ہو، ان کا عنوان تھا:

اعلیٰ ظرفی

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:

tabeer1387@gmail.com
+923351135011

سویرا اُن کی محنت سے جواں تیار ہوتے ہیں

حافظہ سویرا چودھری

جو تاریکی مٹادیں اور اسے تاباں سحر کر دیں
جو بے قیمت سے ذرے کو سنواریں اور گہر کر دیں

جو معمولی سے تنکے کو بھی تن آور شجر کر دیں
جو نادانوں کو دانش سے جہاں میں معتبر کر دیں

جو گم ناموں کو دیں پہچان اور پھر نام ور کر دیں
جو ادنیٰ سے بشر کو بھی ہنر سے تاج ور کر دیں

یہ جن کے زیرِ سایہ ہم سبھی آباد رہتے ہیں
انہیں استاد کہتے ہیں، انہیں استاد کہتے ہیں

جو اک ننھے سے تارے کو مزین کہکشاں کر دیں
جو اک بے رنگ مرجھائی کلی کو گلستاں کر دیں

جو نقطے کو توجہ سے مکمل داستاں کر دیں
جو کم ہمت مسافر کو بھی میرِ کارواں کر دیں

جو پتھر دل کو نرمی سے بدل کر مہرباں کر دیں
جو قطرے کو بھی وسعت دے کے بحرِ بے کراں کر دیں

یہ جن کے زیرِ سایہ ہم سبھی آباد رہتے ہیں
انہیں استاد کہتے ہیں، انہیں استاد کہتے ہیں

جو راہیں سہل کر کے فرض بھی اپنا ادا کر دیں
جو کانٹوں کو ہٹا کر منزلوں کو خوش نما کر دیں

نظر اور سوچ کو، جو فکر کی وسعت عطا کر دیں
تھکے قدموں کو دے کر حوصلہ پھر سے کھڑا کر دیں

جو دردِ دل سکھائیں اور محبت آشنا کر دیں
شعور و آگہی سے زندگی آراستہ کر دیں

یہ جن کے زیرِ سایہ ہم سبھی آباد رہتے ہیں
انہیں استاد کہتے ہیں، انہیں استاد کہتے ہیں

جو دانش ور، مسیحا، رہنما، فنکار بنتے ہیں
یہ سب استاد کے دم سے ہی تو شہکار بنتے ہیں

کتابِ زیست میں لمحے بھی کچھ نایاب آتے ہیں
یہ جن میں پھر زمانے سے حسیں القاب پاتے ہیں

مسلّم ہے ادب ان کا یہ تو معمار ہوتے ہیں
سویرا ان کی محنت سے جواں تیار ہوتے ہیں

یہ جن کے زیرِ سایہ ہم سبھی آباد رہتے ہیں
انہیں استاد کہتے ہیں انہیں استاد کہتے ہیں

یہ ماں باپ جڑ ہیں، یہ بنیاد ہیں

حافظہ وسطیٰ چودھری

یہ ماں باپ جڑ ہیں، یہ بنیاد ہیں
شجر، پھول، پھل مثلِ اولاد ہیں

گھنا پیڑ ہے جو، ثمر بار ہے
یہ جڑ کی ہی قربانی، ایثار ہے

یہ گلشن کی رونق، یہ ہریالیاں
لچکتی، مہکتی سی یہ ڈالیاں

یہ گل اور کلیاں ہیں جو خوش نما
کوئی اِن کی بنیاد دیکھے ذرا

جڑوں سے ہیں قائم یہ سب سلسلے
شجر ان کے دم سے ہی پھولے پھلے

رہے اصل سے اپنی جو بے خبر
وہ خوشبو، نہ سایہ، نہ پائے ثمر

شجر سے جو ہو جائے، جڑ ہی خفا
تو سوچو ذرا پیچھے بچتا ہے کیا؟

نہ گل اور پتے، نہ شاخیں تنا
رہے گا نہ پھر پیڑ ہرگز گھنا

سلامت نہ جب دستِ شفقت رہے
تو موسم کے تیور، وہ کیسے سہے؟

اگر چاہتے ہو بہاریں سدا
تو ماں باپ سے لینا ہر دم دعا

حفاظت سے اِن کی، جو غافل ہوا
وہ اپنی ہی خوشیوں کا قاتل ہوا

نہ لگ جائے غم کی ہی دیمک اِسے
ہے سرسبز و شاداب رکھنا جسے

یہ اولاد کی بے رخی کی ہوا
یہ مضبوط جڑ کو ہے دیتی ہلا

جو اندر ہی اندر یہ کٹنے لگے
تو شاخوں کی شادابی گھٹنے لگے

محبت کا پانی نہ پہنچے اگر
جڑیں خشک ہو جائیں، سوکھے شجر

جو رکھنا شجر کو ہے آباد ہی
ضروری ہے خدمت کی پھر کھاد بھی

کمی اِن کی عزت میں گر لاؤ گے
کبھی میٹھا میوہ نہ بن پاؤ گے

اگر پھل ہیں شیریں، یہ پتے ہرے
تو سمجھو دعاؤں سے ہیں دل بھرے

جڑوں سے نہ وسطیٰ کرے جو وفا
وہ بنجر ہی رہتی زمیں ہے سدا

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: محمد عادل فاروقی

حمدِ باری تعالیٰ

تجھی سے ابتدا ہے، تُو ہی اک دن انتہا ہو گا
صدائے ساز ہو گی اور نہ سازِ بے صدا ہو گا

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو محشر میں کیا ہو گا
سب اُس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہو گا

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہو گا
درِ جنّت نہ وا ہو گا، درِ رحمت تو وا ہو گا

جہنم ہو کہ جنّت، جو بھی ہو گا فیصلہ ہو گا
یہ کیا کم ہے؟ ہمارا اور اُن کا سامنا ہو گا

ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلف حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے، یہی اک سلسلا ہو گا

یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہے، وہ محبوبِ خدا ہو گا

اِسی اُمید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا! دردے کہ تیرا درد، دردِ لا دوا ہو گا

نگاہِ قہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہِ مہر عاشق پر اگر ہو گی تو کیا ہو گا

یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دل پر گزرے گی، وہ دل ہی جانتا ہو گا

سمجھتا کیا ہے تو دیوانگانِ عشق کو، زاہدؔ
یہ ہو جائیں گے جس جانب، اُسی جانب خدا ہو گا

جگرؔ کا ہاتھ ہو گا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہو گا بر ملا ہو گا

جگر مراد آبادیؔ

وہ حبیبِ ربِّ انام ہے

وہ حبیبِ ربِّ انام ہے وہ جہاں کی فصلِ بہار ہے
جسے لوگ کہتے ہیں مصطفیٰ، وہی سب کے دل کا قرار ہے

وہی زیب کون و مکاں بھی ہے، وہی کائنات کی جاں بھی ہے
ہے اس کے نام کا معجزہ کہ کلی کلی پہ نکھار ہے

وہی شاہِ اہلِ حرم بھی ہے، وہی تاجدارِ عجم بھی ہے
وہ کہ عفو جس کا طریق ہے، وہ کہ رحم جس کا شعار ہے

ترا ذکر ارض و فلک میں ہے، تری بات انس و ملک میں ہے
جو ترے خیال میں غرق ہے، اسے بے پیئے بھی خمار ہے

جہاں نورِ حق کی ہیں بارشیں، جہاں برکتیں جہاں رحمتیں
وہ مدینہ کیسا مقام ہے، وہ دیار کیسا دیار ہے

کوئی گالی دیتا جو سنگدل تو نہ ہوتے اس سے وہ تنگدل
نہیں مثل ان کا جہان میں، جنہیں دشمنوں سے بھی پیار ہے

کبھی ہو جو روضے پر حاضری تو زبیرؔ اتنا کہوں گا میں
مرا دل تمہاری متاع ہے، مری جان تم پہ نثار ہے

مولانا محمد زبیر اعظمی قاسمیؔ

اخلاص کا اعلیٰ مقام

حضرت رابعہ بصریہؒ بہت بڑی ولیہ گزری ہیں۔ دوسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک مرتبہ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لے کر باہر نکلیں، کسی نے اس کے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا: میں نے اس آگ کے ذریعہ جنّت کو جلانا ہے اور پانی کے ذریعہ جہنم کو بجھانا ہے، تاکہ لوگ اللہ کی عبادت صرف اللہ کی رضا کے لیے کریں، جنّت کے شوق یا جہنم کے خوف کی وجہ سے نہ کریں۔

(انمول جواہرات، مولانا فیاض الدین چترالیؔ، ص:78)

ظلم کی تین قسمیں

ظلم کی ایک قسم وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہر گز نہ بخشیں گے۔ دوسری قسم وہ ہے، جس کی مغفرت ہو سکے گی اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پہلی قسم کا ظلم ''شرک'' ہے۔ دوسری قسم کا ظلم ''حقوق اللہ'' میں کوتاہی ہے اور تیسری قسم کا ظلم ''حقوق العباد'' کی خلاف ورزی ہے۔ (معارف القرآن ج:2، ص:550)

(انمول جواہرات، مولانا فیاض الدین چترالیؔ، ص:78)

عظیم منصب

فرمایا کہ ایک عظیم منصب ایسا ہے کہ اس سے کوئی آپ کو معزول نہیں کر سکتا۔ کوئی اس پر حسد نہیں کر سکتا، کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے۔ خادم بن جاؤ، ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو۔ ساری خرابیاں مخدوم بننے سے پیدا ہوتی ہیں۔ خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا۔ یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے کیوں کہ اللہ میاں کو بندے کی عبدیت سب سے زیادہ محبوب ہے۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے اور سب سے زیادہ محفوظ بھی۔

(سکونِ قلب، ڈاکٹر عبدالحئی عارفی، ص:62)

تشخص او پہچان پیدا کرنے والی صفات

مسلمان کی شخصیت کو معاشرے میں نمایاں اور امتیازی حیثیت دینے اور اس کا تشخص اور پہچان پیدا کرنے والی دس صفات ہیں۔ یہ صفات مرد میں ہوں یا عورت میں۔ اسے مغفرت اور اجرِ عظیم کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

1: اسلام

2: ایمان

3: قنوت (دائمی اطاعت)

4: صدق

5: صبر

6: خشوع

7: صدقہ

8: روزے

9: شرمگاہ کی حفاظت

10: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا

(جواہرات شیخوپوری شہید، مولانا اسلم شیخوپوری ؒ، ص: 300)

کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو

مولانا عبد الشکور ؒ اور حاجی مشتاق علی خان مرحوم نے حضرت مولانا عین القضاۃ کی ایک بات سنائی۔ میں نے اس کو اپنی عادت کے مطابق لکھ لیا اور میں نے کہا کہ عمر بھر کے لیے ایک بات کافی ہے۔ انھوں نے نقل کیا کہ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اگر کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو، یعنی اگر دنیا شریعت کے مطابق ہے تو دین بھی شریعت کے مطابق ہو گا۔

(صحبتے با اہلِ دل، مولانا ابو الحسن علی ندوی ؒ، ص: 123)

ابلیس کا سامان اور اُس کے خریدار

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ملاقات ابلیس لعین سے ہوئی۔ وہ چار گدھوں کو ہانکے جا رہا تھا، جن پر سامان لدا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: تجارت کا سامان اُٹھا رکھا ہے، خریدنے والوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ حضرت نے پوچھا: ایک میں کیا ہے؟ کہا: ظلم۔ پوچھا: اس کو کون خریدے گا؟ کہا: بادشاہ لوگ۔ پھر دریافت فرمایا دوسرے میں کیا ہے؟ کہا: حسد۔ دریافت فرمایا: اس کو کون خریدے گا؟ کہا: علما۔ دریافت فرمایا: تیسرے میں کیا ہے؟ کہا: خیانت۔ دریافت فرمایا: اس کو کون خریدے گا؟ کہا: تاجر۔ پھر دریافت فرمایا: چوتھے میں کیا ہے؟ کہا: مکر و فریب۔ حضرت نے دریافت فرمایا: اس کو کون خریدے گا؟ کہا: عورتیں۔

(اصلاحی خطبات و رسائل، مفتی نعمان صاحب، ج: 9، ص: 200)

بدعت کی سب سے بڑی خرابی

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے، حالاں کہ دین کا موجد کون ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو دین بنایا وہ ہمارے لیے قابلِ اتّباع ہے، لیکن بدعت کرنے والا خود دین کا موجد بن جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کا راستہ میں بنا رہا ہوں اور در پردہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دین کا جو راستہ بتایا اور جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا۔ میں ان سے بڑھ کر دین دار ہوں، میں دین کو ان سے زیادہ جانتا ہوں تو یہ شریعت کی اِتّباع نہیں ہے، بلکہ اپنی خواہشِ نفس کی اِتّباع ہے۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج: 1، ص: 217)

جیب کترے کی نصیحت

ایک جیب کترا شام کو اپنے استاد کے پاس دو روپے لے کر گیا۔ اس نے کہا: آج سارا دن کیا کیا۔ کہنے لگا: مال تو بہت ہاتھ آیا تھا، ایک گورے کی جیب کاٹی تھی، جب لے کر چلا تو خیال آیا کہ اگر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السّلام نے رسولِ پاک ﷺ سے گلا کر دیا کہ آپ کے امتی نے میرے امتی کی جیب کاٹی تھی تو میں ان کو کیا منہ دِکھاؤں گا تو میں نے بٹوہ اس کو واپس کر دیا۔ نافرمانوں کو ایسی شرم و حیا تھی تو فرماں بردار کیسے ہوں گے۔

جو ساز سے نکلی ہے وہ سُر سب نے سنی ہے — جو تار پہ بیتی ہے وہ بس دل کو پتا ہے

(بکھرے موتی، مولانا یونس پالنپوری، ج: 6، ص: 659)

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد نمازِ عشاء دار العلوم دیوبند میں تشریف فرما تھے۔ علما کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا۔۔۔ کہ اس استاذ العلماء درویش نے 80 سال علما کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو سبق لکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا: میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

1: ان کا قرآنِ مجید کو چھوڑ دینا۔ 2: آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی۔

(نامور علما کے مثالی واقعات، مولانا ارسلان اختر میمن ص: 42)

مشکلات میں سہارا مصیبت میں مددگار

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

عالمی رفاہی ادارے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ سے ہر ماہ بلا مبالغہ لاکھوں افراد، پینے کے پانی، راشن، تیار کھانے، لباس اور دیگر ضروریات زندگی کی شکل میں فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ نے ہمیشہ اپنی خدمات کے لیے ترجیحا ایسے علاقوں کے ضرورت مندوں تک پہنچنے کی کوشش کی ہے جو شہروں کی مضافاتی یا شہروں سے دور دراز کی پس ماندہ بستیوں میں رہنے والے ہیں۔ ایسے یتیم بچے جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں، مستحق زکوۃ بیوہ خواتین، مہلک امراض کا شکار، معذور افراد، غربت کی چکی میں پستے ہوئے سفید پوش گھرانے بیت السلام کی پہلی ترجیح ہوتے ہیں۔

بیت السلام مستحق ضرورت مندوں کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے مثلاً پینے کا پانی، خشک راشن، تیار کھانا، لباس، موسم سرما میں کمبل اور گرم جیکٹیں وغیرہ رمضان المبارک میں سحری افطاری۔ عید قرباں کے موقع پر وقف اجتماعی قربانی کا اہتمام وانتظام کرتا ہے۔ قدرتی آفات جیسے زلزلہ، سیلاب اور وبائی امراض میں بیت السلام مشکل میں گرفتار بھائی بہنوں کی خبر گیری اور مدد میں پیش پیش رہتا ہے۔

حالیہ شدید بارشوں اور سیلاب خواہ وہ خیبر پختون خوا میں ہو یا پنجاب میں بیت السلام پہلے روز سے سراپا خدمت بنا ہوا ہے اور مصیبت میں گرفتار بھائی بہنوں کے پہنچنے کے لیے تمام وسائل اور ذرائع اختیار کر رہا ہے۔ پریشان حال افراد کے لیے نہ صرف فوری ضرورت کی اشیاء کی فراہمی کے انتظامات کر رہا ہے بلکہ حسب سابق مکانات کی تعمیر اور فراہمی روزگار مہم بھی شروع کیے ہوئے ہے۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوٰۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

J.
FRAGRANCES

JANAN

MUSK

UNTRACEABLE. UNFORGETTABLE.

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed